رجسٹرڈ ایل نمبر ۷۷

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

تاریخہائے اشاعت:- ۷ - ۱۴ - ۲۱ - ۲۸

الحکم

ایڈیٹر شیخ یعقوب علی تراب احمدی

چہ گویمت با تو گر آئی چہا در قادیاں بینی
دوا بینی شفا بینی غرض دار الاماں بینی

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ - وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ

درخواست دعا

میرے پیارے برادران احمدی سلمہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میرا لڑکا محمد ثناء اللہ پر سال امتحان انٹرنس میں فیل ہوگیا تھا۔ بفضلہٖ اس سال آجکل پھر شامل امتحان ہوا ہے۔ للہ دعا فرماویں کہ اس سال اعلیٰ نمبروں میں کامیاب ہو۔ اس کی کامیابی پر پیں وعدہ دیتا ہوں کہ ماہوار انشاء اللہ ایک سال تک اُس فنڈ میں چندہ بھیجتا رہونگا جس میں حضرت امیر المومنین حکم دیں گے۔ والسلام

خاکسار غلام محمد پھلوری از شاہ پور کنڈی ضلع گورداسپور

نمبر ۹ و ۱۰ و ۱۱ | قادیان دار الامان ۷ و ۱۴ و ۲۱ مارچ ۱۹۰۹ء مطابق ۱۴ و ۲۱ و ۲۸ صفر ۱۳۲۷ھ | جلد ۱۳

اطلاع

الحکم کا یہ نمبر مجموعہ ہے نمبر ۹۰ و ۱۰ و ۱۱ کا یعنے مورخہ ۷ و ۱۴ و ۲۱ مارچ ۱۹۱۰ء کے تین نمبروں کا۔ اور یہ مجموعہ صرف اس وجہ سے اکٹھا نکالا گیا ہے۔ تاکہ حضرت خلیفۃ المسیح اور حضرت صاحبزادہ صاحب بشیر الدین محمود احمد صاحب کی جلسہ کی سالانہ تقریریں یکجا ناظرین کو پہونچا دی جاویں۔ یہ تقریریں ۹۶ کتابی صفحوں پر جو تین اخباروں کے ریڈنگ میٹر کے برابر ہیں لکھی گئی ہیں۔

۱- اس نمبر کو صرف ان ہی تقریروں کی خاطر کتابی صورت پر شائع کیا گیا۔ ورنہ الحکم کی تقطیع میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اس مجموعہ کی کچھ زائد کاپیاں بھی چھاپ لی گئی ہیں۔ جو صاحب چاہیں ۲؍ کے ٹکٹ بھیجکر منگوالیں۔ اگلا نمبر ۱۲ اخباری تقطیع پر حسب معمول شائع ہوگا (انشاء اللہ العزیز)

خریداران الحکم ان درمیانی نمبروں کو بھول نہ جاویں۔

۲- ان تقریروں کے متعلق میں یہ کہنے کی جرات کرتا ہوں۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی تقریریں خود میں نے اپنے ہاتھ سے لکھی ہیں۔ اور پھر صاف کرکے اُن کو حضرت اقدس کو دکھا لیا ہے۔ اور صاحبزادہ صاحب نے خود اپنی تقریر کو اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ اس لئے یہ تقریریں بہرحال مکمل اور درست کہلانے کی مستحق ہیں۔

ایڈیٹر الحکم قادیان

غیر معمولی پرچہ الحکم مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۰۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مبارکباد

(قِران السعدین)

اللہ تعالیٰ ہی کی حمد اور ستائش ہے جس نے صہر اور نسب کو بنایا اور اُس کے رسول پر صلوٰۃ اور سلام ہو جس نے رحمۃ للعالمین ہو کر دنیا میں صہری رشتوں کی عظمت اور قدر کو قائم کیا اور پھر خدا تعالیٰ کے اپنے ہاتھ سے معطر کئے ہوئے مسیح موعود اور ہمارے سید و مولیٰ امام پر سلام ہو جس کے نسبی اور صہری شرف کے اظہار کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام سے شہادت دی الحمد للہ الذی جعل لکم الصہر والنسب یعنی وہ خدا سچا خدا اور ساری تعریفوں کا سزاوار ہے جس نے تمہارا دامادی کا تعلق ایک شریف قوم سے جو سید تھے کیا اور خود تمہارے نسب کو شریف بنایا جو فارسی خاندان اور سادات سے معجون مرکب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ وحی ایک لمبا زمانہ گذرا حضرت مسیح موعود پر نازل ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے موافق (جیسا کہ صراحت کے ساتھ پیشگوئیوں میں مذکور تھا اور حضرت مسیح موعود نے کھول کر اپنی تصانیف میں لکھا ہے) حضرت مسیح علیہ السلام کا صہری تعلق دہلی میں حضرت خواجہ میر درد کے صحیح النسب اور دیندار اور خدا پرستی میں ممتاز خاندان کے ساتھ ہوا۔ اور وہ محترم خاتون جو اب ہماری ام المومنین ہے (خدا کی رحمتیں اُس پر ہوں اور اُس کا سایہ ہمارے سروں پر) خدیجۃ اللہ کے لقب سے خدا تعالیٰ کی وحی کے رو سے نامزد ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے اس کے دامن مراد کو بھر دیا چنانچہ کئی بچے جو اپنے رنگ میں آیۃ من آیات اللہ تھے اور ہیں (وہ باخدا اور بامراد ہو کر دنیا کے رہنما اور پیشوا ہوں) ان میں سے حضرت بنت رسول [illegible] مبارکہ بیگم صاحبہ کا نکاح ۱۷ فروری ۱۹۰۸ء کو حضرت نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ سے ہوا تھا جیسے کہ یہ خبر مبارک اکثر شائع ہو چکی ہے آج پھر مجھے موقعہ ملا ہے کہ اس مسرت بخش خبر کی اشاعت کی تجدید کروں جبکہ حضرت صاحبزادی صاحبہ کی تقریب رخصت کا مبارک دن ہے۔

میں نے مختلف اوقات پر تہنیت نامے مبارکبادیں خاندان نبوت کے نونہالوں کی تقریبوں پر شائع کی ہیں۔ میری غرض ہمیشہ ان سے یہی ہوا کرتی ہے کہ آیات اللہ کے تذکرہ اور یاد دہانی سے اپنے احباب کا ایمان بڑھانے کا موقعہ دوں۔ اسی نیت سے پھر اس مبارکباد کو شائع کرتا ہوں۔

میں اس موقعہ پر حضرت نواب صاحب قبلہ کو خصوصیت سے مبارکباد دیتا ہوں اس لئے کہ جو فضل ان پر ہوا ہے اور خدا کے برگزیدہ رسول مہدی و مسیح نے جس شفقت اور اکرام سے ان کو نوازا ہے وہ لانظیر ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں پہلے بھی ایک شرف اور بزرگی بخشی تھی مگر یہ فضل نور علیٰ نور

کا مصداق ہے۔ اس لئے میں بجز خصوصیت سے ان کو مبارکباد دیتا ہوں۔

یہ تعلق اُن کے لئے بیش از بیش انعامات اور برکات کا موجب ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے نواب مبارکہ بیگم کی ذات بابرکات کے لئے اپنے موعود مامور کے ذریعہ جو وعدے فرمائے ہیں وہ ضرور پورے ہوں گے۔ چنانچہ یہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو شعر درج کرتا ہوں جو حضور نے نواب مبارکہ بیگم کے متعلق لکھے ہیں

ہوا اک خواب میں مجھ پر یہ ظاہر — کہ اس کو بھی ملیگا بخت برتر
لقب عزت کا پاوے وہ مقرر — یہی روز ازل سے ہے مقدر

نواب مبارکہ بیگم بھی الہامی لڑکی ہے اور اللہ تعالیٰ جس طرح پر چاہیگا۔ اپنے وعدوں کو پورا کریگا۔ بہرحال نواب صاحب کی سعادت اور خوش قسمتی ہے کہ اس تعلق سے دور جدید شروع ہوا ہے۔ بہت ہی مبارکباد کے قابل ہے میں الفاظ نہیں پاتا جن میں اس انعام عظیم کی عظمت کا اظہار کرسکوں بجز اس کے کہ میں آقا و امام حضرت خلیفۃ المسیح مدظلہ تعالیٰ (جن کے ہاتھوں حضرت مبارکہ بیگم کا نکاح ہوا اور جن کے ہاتھوں ہی مبارکہ کی تقریب رخصت کا ادا ہونا مقدر تھا) کے وہ الفاظ درج کردوں جو آپ نے خطبہ میں فرمائے تھے۔ "ایک وقت تھا جبکہ نواب محمد علی خان صاحب کے مورث اعلیٰ شیخ صدر جہان علیہ الرحمۃ کو ایک رئیس اعظم نے اپنی لڑکی دی تھی۔ مگر یہ خدا کے فضل کا نتیجہ ہے اور اس کی نکتہ نوازی ہے۔ کہ آج محمد علی خان کو

سلطان دین نے اپنی لڑکی دی ہے!

اور یہ اس بزرگ مورث سے زیادہ خوش قسمت ہیں یہ میرا دین میرا علم میرا ایمان بتاتا ہے۔ کہ وہ حضرت صدر جہان سے زیادہ خوش قسمت ہیں" فی الجملہ یہ بڑی ہی خوش قسمتی اور سعادت ہے۔ نواب صاحب پہلے بھی ہمارے محسن و مخدوم ہیں مگر اس رشتہ نے احمدی قوم کیلئے انہیں بہت ہی زیادہ واجب الاحترام بنادیا ہے ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم ۔ آخر میں میں خاندان نبوت کی سردار سیدۃ النساء خدیجۃ اللہ حضرت ام المومنین اور آپ کے تمام خاندان کو اسی تقریب پر صدق دل سے مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس قران السعدین کو اپنے انعامات و فیوض و برکات سے بہرہ ور کرے اور وہ ہمارے سید و مولا امام کی ان دعاؤں کے ثمرات سے متمتع ہوں جو آپ نے ان کے لئے کیں۔ اور جو ہمارا موجودہ امام خلیفۃ المسیح کر رہا ہے۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

گنہگار عبد

خاندان نبوت کا ایک ادنیٰ خادم یعقوب علی تراب احمدی ایڈیٹر الحکم

قادیان

انوار احمدیہ مشین پریس قادیان میں باہتمام شیخ یعقوب علی ایڈیٹر و مالک کے چھپا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت خلیفۃ المسیح کی پہلی تقریر

(۲۶- دسمبر ۱۹۰۸ء بعد نماز ظہر وعصر)

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشھد ان محمدًا عبدہٗ ورسولہ

کلمہ شہادت اور اس کے دو نو حصوں کی غرض

یہ وہ کلمہ ہے جس کو ہماری زبان میں کلمہ شہادت کہتے ہیں۔ اس کے دو حصے ہیں ایک حصہ میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک اکیلا معبود ہے کوئی اس کا شریک نہیں نہ اس کی ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں۔ دوسرے حصہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اُسی کے رسول ہیں اس کلمہ شہادت کے پہلے حصہ کے اظہار اور تعلیم کے لئے سلسلہ کائنات میں انبیاء و رسل آتے رہے اور ان کے بعد ان کے خلفاء و جانشین ہوتے رہے اور وہ یہی ہدایت اور تعلیم دیتے رہے۔

لا الٰہ الا اللہ

ان سب کی ایک ہی غرض رہی اور ہمیشہ یہی غرض رہی کہ لوگ لا الٰہ الا اللہ کہیں اور سمجھیں اور یقین کریں ایسا ہی ہوتا رہا اور ہوتا آیا مگر ایک زمانہ گذرنے کے بعد ان ہادیوں کو جو یہ تعلیم لیکر آئے

آئے جن سے مجھے بڑی محبت تھی۔ وہ چاہ پینے کے عادی تھے۔ مَیں نے بڑی محبت سے ان کے لئے چا طیار کرائی اور ان سے نہائت خوشی کے ساتھ ذکر کیا کہ مَیں آپکے لئے چا بنوائی ہے یہ سنکر وہ بہت ناراض ہوئے اور یہ کہہ کر چل دئے۔ کہ چا تو ہم چوہڑوں کو بھی پلا دیتے ہیں یہ مجھ پر بڑا احسان جتاتا ہے اس سے پیشتر کہ چاہ طیار ہوتی وہ چلدئے اس سے مجھ عظیم الشان فائدہ ہوا اور

مجھ پر عجیب نکتہ کھلا

کہ جب ہم انسان ہو کر دوسرے انسان کی رضامندی کی راہ معلوم نہیں کر سکتے کیونکہ اس دوست کیلئے کچھ خرچ بھی ہوا اور وہ ناراض بھی ہوگئے تو پھر انسان کیا پیدا کرنے والے کی رضامندی کی راہ اپنے خیال اور تجویز سے کیونکر معلوم کر سکتے ہیں؟ وہ جو علے کُلّ شئ محیط ہے اس کی رضامندی کی راہیں بدوں اس کے علم دینے کے کیوں کر معلوم ہوں جبکہ ہم محتاج ہیں۔ میرا وہ دوست اب تک جیتا ہے۔ مگر سیدھا نہیں تھا تاہم میں اس کی عزت کرتا ہوں کہ اس نے مجھے عجیب سبق دیا اور جب کبھی وہ مجھے ملتا ہے تو مَیں اسے کہا کرتا ہوں کہ **استاد تو راضی ہے**۔ اس لئے کہ مجھے اس کے ذریعہ سے ایک علم پیدا ہوا۔ مجھے اس عجیب نکتہ نے نہائت مشکلات میں ڈال دیا کیوں کہ میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا تھا۔ اور میں نے دیکھا کہ میں ایک اپنے جیسے انسان کو بھی راضی نہ کر سکا۔ تب مَیں نے دُعا میں اور ترقی کی کہ اے مولیٰ میں تجھے راضی کرنا چاہتا ہوں اور مجھے اس کا علم نہیں کہ کن راہوں سے تجھے راضی کر سکتا ہوں اس لئے تو آپ مجھے وہ راہ بتا دے پس میں رات دن اسی فکر میں رہا

تربیت کا آٹھواں مرحلہ

مگر ساتھ ہی خیال آیا کہ وہ تو ربُّ العالمین ہے۔ مجھے اس کے راضی کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اسی سوال کے پیدا ہونے پر اللہ تعالیٰ نے مجھے سمجھایا کہ دمبدم حالت تبدیل ہو رہی ہے اور آج جو تیری ضرورتیں ہیں کل وہ

تجھ سے الگ ہونگی۔ تیرے یار و آشنا تجھ سے جدا ہون گے اس لئے پھر طبیعت مین یہ جوش پیدا
ہوا۔ کہ اے میرے مولیٰ مجھے ایسے سامان دے کہ کبھی جدا نہ ہو۔ یہ سمجھ رکھو کہ یہ بات بڑی مضبوطی
سے میرے دل مین پیدا ہوئی کہ آج جس چیز کی مجھے حاجت ہے۔ ایک برس کے بعد شاید نہ رہے بچون کو
دیکھتے ہین کہ ابھی بڑے جوش سے مٹھائی مانگتے تھے اور ابھی کوئی کھیل مانگتے ہین۔ پھر اس پر بھی
بس نہین خواہشون اور حاجتون کا دائرہ دم بدم وسیع ہوتا جاتا ہے ابھی عید آئی ہے نئے کپڑے
چاہئین غرض انسان کی حاجتین جدید پیش آتی رہتی ہین اور وہ تھوڑی دیر کے لئے کافی نہین
ہوسکتی ہین بڑی حاجتون کو پورا کرنے والی ماں ہے اور بچہ اسکی گود کو بڑی آرام کی چیز سمجھتا ہے
مگر جب یہ بچپن کی حالت جوانی سے بدل جاتی ہے تو اوس وقت وہ ماں کی بغل مین نہین سو سکتا
بلکہ اسکی سکینت اور آرام کے لئے کسی اور کی حاجت ہے۔ غرض جب غور کرکے دیکھا تو انسان کو
خارج کا محتاج پایا۔ پھر ضرورتون تک ہی سلسلہ محدود نہین رہتا بلکہ ایک اور مشکل آتی ہے اور وہ
یہ کہ بعض اوقات بڑی خواہشون اور آرزون کے بعد بیٹا پیدا ہوتا ہے مگر مر جاتا ہے اور پھر
انسان نہایت حیران اور رنجیدہ خاطر ہوتا ہے میرے نو بچے مر گئے اور ایک بیوی بچون کے
ایسے صدمے سے قریباً نیم پاگل ہوگئی تھی اس کے تین بیٹے اور دو بیٹیان مرین ان مصائب
اور مشکلات نے بتایا کہ

اللہ تعالیٰ ہی محبت کے قابل ہے

اور فی الحقیقت لا الٰہ الا اللہ کا مصداق اللہ ہی اس قابل ہے کہ اُسے اپنا یار و آشنا یقین کیا
جاوے اس سے پھر اس کی رضا کی خواہش مین جوش پیدا ہو۔

تربیت کا نواں مرحلہ تم مین سے بہت سے اکثر جانتے ہین کہ مین کتابون کا بہت شائق ہون اور بہت پڑھتا رہتا

ہوں۔ ایک دفعہ میں نے ایک کتاب میں دیکھا کہ انسان فلاں مقام وموقعہ پر پہونچے تو وہاں کوئی ایک دُعا مانگے تو وہ قبول ہو جاتی ہے۔ میں نے سوچا کہ ہر آن نئی حاجتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک دُعا مانگ کر کیا ہوگا؟ ممکن ہے تھوڑی دیر کے بعد وہ حاجت ہی نہ رہے کیونکہ ساری حاجتیں توآنی ہوتی ہیں اور وقتی حالات کے ماتحت ہوتی ہیں سب سے بڑی نعمت وصال محبوب ہے لیکن اگر عقل جاتی رہے یا شکل بھونڈی ہو جاوے تو پھر وہ نعمت دُکھ سے بدل جاوے گی۔ پس میں نے اپنے آپ کو عجیب مشکلات میں پایا۔ دل چاہتا تھا کہ اس دعا کو جو اس مقام پر قبول ہونیوالی ہے ضائع نہ کروں اور دوسری طرف یہ سوچتا تھا کہ ہر وقت نئی حالت میں ہوں اور حاجتیں ترقی کرتی ہیں۔ پھر دُعا ہی کے ذریعہ اس مشکل کو حل کیا اور خدا تعالیٰ سے ہی چاہا۔ کہ ایسی دُعا تعلیم کر جو میری ساری حاجتوں پر حاوی ہو۔ پس میرے دل میں یہ جامع دُعا ڈالی گئی کہ:۔

مُضطر ہو کر جو کچھ حضور سے مانگا کروں وہ قبول کر لیا کرو۔

قرآن مجید سے تعلق

اس کا نتیجہ یہ دیکھا کہ سب دعائیں اسی میں آگئیں اور جب میں نے مُضطر ہو کر اپنے رب سے کچھ مانگا وہ مجھے ملا اور پھر میں نے قرآن کریم میں قبولیت دُعا کے اسرار میں اضطرار کو پڑھا۔ جس سے قرآن کریم کی محبت میں ترقی ہوئی یہ پہلا وقت تھا کہ قرآن کریم سے اس طرح پر تعلق ہوا اس وقت مجھے سمجھ آگیا۔

کہ قرآن کریم ہی تمام الٰہی رضامندیوں کی راہوں کا مجموعہ ہے۔

چنانچہ خود قرآن مجید فرماتا ہے۔ اولم یکفہم انا انزلنا الیک الکتاب یتلی علیہم (اکیسویں پارہ کے ابتداء میں) جس کا خلاصہ مطلب یہی ہے کہ کیا قرآن مجید کافی نہیں ہے۔

اس نے معاً اور اثر پیدا کیا اور میری ساری توجہ قرآن مجید کی طرف پھر گئی۔

لکھنؤ میں شیعوں پر اتمام حجۃ

مَیں لکھنؤ میں پڑہتا تھا۔ ایک مرتبہ بعض لوگوں نے مجھ سے سوال کیا کہ حضرت عمر رض نے حسبنا کتاب اللہ کیوں کہا؟ مَیں نے انہیں کہا کہ اونہوں نے ٹھیک کہا کیونکہ قرآن مجید خود یہی کہتا ہے۔ تب مَیں نے وہی آیۃ اولم یکفہم پڑہی اور وہ خاموش ہو گئے۔ اس واقعہ نے مجھے اور بہی لطف دیا اور میری سمجھ میں یہ بات آگئی۔ کہ مخالفین پر خواہ وہ اندرونی ہوں یا بیرونی قرآن مجید ہی کے ذریعہ کامیابی حاصل ہو سکتی ہے

قرآن کریم کو ایک اور غرض سے پڑہا

اس خیال کے ساتھ قرآن مجید سے اور بہی تعلق بڑہا۔ پہلے اس کو خدا تعالیٰ کی رضا کی راہوں کے معلوم کرنے کے لئے پڑہا تہا۔ تو اب مخالفین پر

اتمام حجت کی خاطر پڑہنے لگا

اور اس طرز سے جب مَیں نے اوس کو پڑہا اور مختلف مذاہب پر نظر کی تو قرآن مجید کے ذریعہ ہی ان سب پر کامیاب ہونے کے لئے گر مجھے سمجھائے گئے یا سمجھ میں آگئے اور پھر مَیں نے اپنی زندگی میں ان اصولوں کو آزمایا اور بالکل صحیح پایا یہ ایک لمبا سلسلہ ہے اور ذاتی باتیں ہیں کہ کس کس طرح پر میں نے قرآن مجید کے ذریعہ مخالفین کو نیچا دکھایا۔ بہرحال تم اتنا سمجھ لو کہ اس راہ سے بہی کم از کم مجھے قرآن مجید کے ساتھ محبت بڑہ گئی اس محبت کے بڑہتے ہی میں نے اپنی دعاؤں کے نتیجہ پر نظر ثانی کی کہ قرآن کریم کے خلاف تو نہیں ہیں۔

امیر المؤمنین کی دعا کا ابتدا

میری دعاؤں کا ابتدا ہوتا ہے۔ اللّٰھمّ انی

اسئلک بانک انت اللہ لا الٰہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد ۔ اس دعا میں تو بہت لفظ ہیں مگر میں اس وقت کے حسب حال اور تمہارے ساتھ خطاب کے موافق جس لفظ سے دلبستگی ہے اس کی تشریح کروں گا ۔ اور وہ لفظ صمد ہے ۔

اللہ نے ہم کو محتاج پیدا کیا ہے ۔ انتم الفقراء الی اللہ یہ صمد کے معنی ہیں اس نام نے عجیب نکتہ معرفت میرے دل میں پیدا کیا کہ تم فقراء ہو ۔ جب یہ بات دل میں آئی ۔ تو میں نے دیکھا ۔ کہ اللہ جلشانہ کے جو اسماء صفات ہیں وہ مخلوق کے لئے بھی رکھے گئے ہیں مثلاً وہ سمیع بصیر ہے

صفات الٰہیہ پر غور

تو مخلوق پر بھی یہ لفظ بولے گئے اس کا نام رؤف الرحیم ہے تو اس کے رسول کو بھی رؤف الرحیم کہدیا ۔ غرض صفات الٰہیہ پر غور کرتے کرتے عجیب تماشا گاہ مجھے نظر آیا اور میں نے دیکھا کہ کس طرح پر اللہ تعالیٰ کی صفات کی جلوہ گری مخلوق پر ہوتی ہے ۔ اس پر غور کرتے کرتے میں اس نکتہ پر پہونچا ۔ کہ جب میں صمدیت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا محتاج ہوں اور اس کی صفات کا پر تو انسان پر بھی پڑتا ہے ۔ تو اسی صمدیت کے مظہر ہونے کی وجہ سے بعض میرے بھی محتاج ہیں اور بعض کا

شفقت علی خلق اللہ کی تعلیم

میں بھی محتاج ہوں اس فکر نے مجھے شفقت علی خلق اللہ کی تعلیم دی اور یہ تعلیم گویا لفظ صمد کے ذریعہ ملی ۔ کیونکہ میں نے سمجھ لیا ۔ کہ جب صمد کے مظہر میں تو کریم رحیم کے بھی مظہر ہیں ۔ پھر ایک طرف اپنی محتاجی کو دیکھا کہ ایک چوہڑی تک کا محتاج ہوں اور وہ مجھ سے روپیہ لینے کی محتاج ہے ۔ پھر معاً دھوبی کو دیکھا وہ قیمت کا

محتاج ہے۔ بن کپڑے کی صفائی کا۔ اس طرح پر ایک وسیع سلسلہ میرے سامنے آیا۔ کہ..
مخلوق میں سے ایک دوسرے کا محتاج ہے اِس لئے مَیں نے عامۃ الناس کی ہمدردی
کے لئے

علم طب کو مناسب حال سمجھ کر سیکھا

اس سلسلہ احتیاج کو میں نے پھر قرآن شریف میں دیکھا تو یہ آیۃ نظر آئی۔ ربنا استمتع
بعضنا ببعض۔ غرض ایک نیا شوق اور نیا خیال پیدا ہوا۔ یہ شفقت علیٰ خلق اللہ کا خیال
تھا اور اس کے ساتھ یہ سمجھ میں آیا کہ اس آیت کے لحاظ سے انسان ایک دوسرے کا محتاج ہے،

اجتماع کی خواہش

اور یہ حاجتیں تب ہی پوری ہو سکتی ہیں کہ اجتماع ہو۔ بس ضرورت نے مجھے طب اور اجتماع کی طرف متوجہ کیا اور میں دیکھتا تھا کہ
شروع سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ اولاً ماں کی گود میں رہے پھر حاجتیں اور پیدا ہوئیں تو
اس گود کو چھوڑ دیا اونہوں نے کئی بار کہا کہ فوراً تو اب گود میں نہیں آتا۔ میں کہدیتا
کہ اب اسکا وقت نہیں پھر بھاوج کی گود میں رہ کر ایک فیضان اُٹھایا۔ پھر اسے چھوڑا تعلیم کا سلسلہ
شروع ہوتا ہے ایک میاں جی سے قاعدہ پڑھتے ہیں۔ پھر دوسرے کچھ اور تیسرے اور
غرض دیکھا کہ اجتماع کرتے گئے اور وقتی ضرورتوں کے موافق چھوڑتے آئے یہ عجیب تماشا
تھا۔ پھر جوان ہوئے اور اس حالت کے ماتحت خیال آیا۔ کہ کوئی ساتھ ہو۔ چنانچہ تیس سال سے

شادی کی ضرورت اور عمر

متجاوز ہو کر میں نے شادی کی اور پھر اس نکاح سے میں نے بہت ہی فائدہ اُٹھایا اور قرآن مجید کی اس اصل کو پایا۔

لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ان فی ذلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون

اس تعلق نے پھر ایک اور نیا اجتماع شروع کیا وہ اولاد سے تمتع تھا۔ مگر میں نے اس سے پہلے دیکھا کہ فی الواقعہ سکون اور غمگساری بیبیوں ہی کے رشتہ میں .... پائی تو مجھے یقین ہوا کہ خدا تعالیٰ کی کتاب نے اس رشتہ کی غرض و غایت جو بیان کی ہے وہ بہت ہی درست ہے اور یہ خالق فطرت کا کلام ہے۔ غرض ان تعلقات میں ایک لمبا سلسلہ چلتا ہے اولاد ہوئی اور اولاد ہو کر مری تو مشکلات کا ایک نیا سلسلہ نظر آیا اور بعض وقت تو عجیب عجیب کیفیت ہوئی۔

غم میں تسلی کا نور

بلکہ ایک مرتبہ مجھے یاد ہے کہ میں ایک نماز میں امام تھا اور قلب پر بعض دکھوں کا اثر تھا اس لئے شرح صدر سے الحمد للہ کہنے میں قلب نے مضائقہ کیا کہ جب یہ حالت ہے تو الحمد کیسی؟ مگر میں قربان جاؤں قرآن کریم پر اور اس کے لانے والے پر کہ بجلی کی طرح میرے دل میں یہ بات آئی کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے۔ کہ ہم مصائب پر انا للہ کہنے والوں کو انعام دیتے ہیں اس لئے الحمد ہی کا موقع ہے جب کچھ خدا ہی کا ہے اور تجھے اس غم و ہم کے بدلہ اسے بہتر دینے کا وعدہ کرتا ہے تو الحمد کا خوب موقع ہے۔ اس طرف سے ایک پھوٹی کوڑی ہی جاوے۔ تو دوسرے خزانہ ملتا ہے ؎

ہر بلا کین قوم را حق دادہ است
زیر آن گنج کرم بنہادہ است

اخلاقی تربیت اور قرآن کریم کا ایک رکوع

اس سے مجھ کو اتنا ہی فائدہ نہیں ہوا کہ میں نے زور سے الحمد پڑھی بلکہ اخلاقی فائدہ یہ ہوا کہ جب سب کے سب محتاج ہیں اور ایک دوسرے سے وابستہ ہیں یہاں تک کہ چوہڑی نہ ہو یا حجام یا دھوبی نہ ہو تو سخت مشکلات پیش آئیں۔ میرے گھر میں یہ جھگڑا ہی ہوا کرتا ہے۔ کہ چوہڑی کو دو دو دفعہ

آنا چاہئیے یا تین دفعہ۔ بہر حال میں نے ان ضرورتوں کے سلسلہ پر غور کیا۔ تو سورۃ حجرات کا یہ رکوع حل ہو گیا۔

لا یسخر قوم من قوم

کیا معنی جب تم ایک دوسرے کے محتاج ہو تو پھر ایک دوسرے کو ہنسی ٹھٹھا کیوں کرتے ہو۔ کوئی عورت کسی عورت سے اور کوئی مرد کسی مرد سے ٹھٹھا نہ کرے ممکن ہے کہ وہ جسے تم ذلیل سمجھتے ہو تم سے بہتر ہو جائے یہ سچ ہے کہ یہ سب چیزیں ایک پہلو سے مفید ہیں اور ایک پہلو سے مضر بھی یا طیب بھی اور خبیث بھی۔ برسات میں ایک کیڑا پیدا ہوتا ہے اسے عربی میں جعل کہتے ہیں اس کیڑے کا کام یہ ہے کہ وہ گندگی کی گولیاں بنایا کرتا ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے۔ کہ وہ آٹھ پہر کے اندر اسے مٹی کر دیتا ہے۔ مگر مشک یا گلاب سے مر جاتا ہے اس سے

تربیت کا دسواں مرحلہ

جب مجھے خیال پیدا ہوا کہ دنیا میں مختلف اشیاء میں اور ہر ایک اپنی ذات میں خوبیاں رکھتی ہے جو بری نہ ہو تو کیا خرابیاں پیدا ہوں اسی سے قیاس کر لو مگر انسان کو چاہئیے کہ اس کی خوبیوں کا متوالا رہے اور نقصوں کی پروا نہ کرے۔

پس صمد کے نقطے نے تو یہ فائدہ دیا۔ کہ جب صمدیت کے مظہر ہیں تو ایک دوسرے سے فائدہ اوٹھائیں اور ادھر طب نے یہ فائدہ دیا کہ کوئی چیز نہ دیکھی جو مفید نہ ہو۔ معمولی چیزیں جن کو انسان نہایت بے پروائی سے دیکھتا ہے ایسی مفید ہوتی ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے ایرنے یعنی جنگلی گوبر کی راکھ کو میں نے بعض امراض میں ایسا مفید دیکھا ہے کہ ہزاروں روپیہ بھی اس کے بدلے میں خرچ کریں تو کم ہے غرض اس طرح پر اجتماع کا شوق بڑھتا گیا اور طب نے اسمیں مدد دی کیونکہ طب تب چلے کہ وضیع سے لیکر شریف اور امیر سے لیکر غریب تک سب جمع ہوں

پھر نباتات اور حیوانات تک سے پیار کرو جب اس لمبے سلسلے پر مین نے غور کی تو میرے اندر ایک عجیب اضطراب پیدا ہؤا۔

اور مین نے اپنی وسیع ذمہ واری کو سوچا۔

یکایک میری حالت متغیر ہوگئی اور فکر نے میرے دل پر غلبہ کیا اور مین نے مخلوقات کے ایک وسیع دائرہ مین اپنے آپ کو پایا اور مین گھبرا گیا کہ میرے فرائض بہت بڑے ہین اور مین ایک ناتوان ہستی

فیضان الٰہی نے کس طرح دُعا کی تحریک کی

انہین خیالات مین حضرت اقدس ع کے زمانہ مین مین ایک دن التحیات کے اندر دُعا کر رہا تھا کہ یکایک میری توجہ مثنوی کی طوطی کی حکایت کی طرف پھر گئی اور وہ یہ ہے کہ ایک امیر تاجر نے ہندوستان کے سفر کا ارادہ کیا اور اپنے متعلقین اور دوستون سے کہا کہ تم اپنی اپنی فرمائشین مجھے بتا دو۔ چنانچہ اونھون نے بتائین اوس کا ایک طوطا بھی تھا اس سے بھی پوچھا اُس نے کہا اور کوئی فرمائش نہین مگر ایک بڑے درخت پر طوطون کا ایک جھنڈ ملیگا وہ میرے بھائی ہین تم اونکو میرا سلام پہونچا دینا۔ غرض جب وہ تاجر اس مقام پر آیا تو اوس نے طوطون کے ایک جھنڈ کو دیکھ کر اپنے طوطے کا سلام دیا۔ تو ایک طوطا پھڑ پھڑاتا ہؤا نیچے گر پڑا۔ تاجر کو یہ دیکھکر صدمہ تو ہؤا مگر وہ مجبور تھا اُسے کیا خبر تھی کہ اس کا انجام یہ ہوگا۔ غرض جب سوداگر واپس گیا تو اس نے جہان اپنے دوستون اور متعلقین کو ان کی فرمائشین دین۔ وہان اس نے اپنے طوطے کو وہ قصہ اس کے سلام کا بھی سُنایا کہ مین نے سلام کہا اس کا نتیجہ یہ ہؤا جونہی اس طوطے نے یہ واقعہ سُنا وہ پھڑ پھڑایا۔ اور تڑپ کر گر پڑا۔ تاجر کو یہ دیکھ کر اور بھی صدمہ ہؤا کہ اس کی بھی جان گئی۔ اوس نے بہرحال اسے پنجرہ سے نکالکر پھینک دیا تب وہ طوطا فوراً اڑ کر درخت پر جا بیٹھا اور اس نے تاجر کو مخاطب کرکے

کہا کہ میں نے سلامت گر اپنے دوستوں سے اس قفس سے رہائی کی تدبیر پوچھی تھی اور انہوں نے جواب دیا ہے کہ جب تک موت نہیں پڑ جاؤ گے نجات نہیں ملتی۔ بس یہ میری رہائی اور کا علاج اور گر تھا۔

سنو! یہ نکتہ میں نے تمہیں بھی سنا دیا ہے کہ نفس کے پنجہ سے نجات چاہتے ہو تو موت اختیار کرو۔ یہ طوطی کا قصہ معنی نہیں مثنوی میں موجود ہے جس کو اہل اللہ پڑھتے ہیں۔ غرض النجیات میں جب مجھ اس قصہ کی طرف توجہ ہوئی۔ تو میں نے

تمام انبیاء و رسل و اولیاء و ملائکہ کو مخاطب کر کے کہا کہ اے طوطیان قدس تم پر سلام مجھ کو بھی نجات کی کوئی راہ بتا دو۔ اس وقت مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میں اس کو ضبط نہ کر سکا۔ طوطی کا استعارہ احادیث سے ثابت ہے کہ شہدا سبز پرندوں کے جوف میں عرش کے نیچے لٹکتے ہیں۔

امامت اور اخوت کی تحریک کیسے پیدا ہوئی

اس پر ایک زبردست تحریک میرے دل میں پیدا ہوئی جس کا نتیجہ وہ کارڈ تھے جو میں نے چھپوا کر بعض دوستوں کو بھیجے اور بھیجنے سے پہلے میں نے وہ کارڈ ان کو (حضرت صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد صاحب سلمہ ربہ) کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ جو پاس ہی کرسی پر بیٹھے تھے) دیا کہ حضرت صاحب کو دکھا لو یہ اس تحریک میں شریک تھے اونہوں نے دکھایا اور حضرت نے اسے بہت ہی پسند فرمایا۔ میرا ارادہ یہ تھا کہ جب چودہ ۱۴ آدمیوں کی ایک جماعت ہو جاوے گی تو میں حضرت کے حضور پیش کرونگا کہ ہم پر وہ فیضان نازل ہو جو اجتماع پر موقوف ہے۔ یہ ایک تحریک تھی اور خدا تعالیٰ کی طرف سے تھی۔ میں اس کے نتائج سے محض بے خبر تھا مگر مولیٰ کریم میرے دل کی حالت کو دیکھتا تھا

تھا ان کے ماننے والوں نے غلطی سے ہادیوں کو

معبود بنا لیا

اور اس طرح وہ غرض جو ان کی تعلیم اور بعثت کی تھی فوت ہو گئی اور لا الہ الا اللہ کی بجائے شرک پھیل گیا اس غلطی اور مصیبت سے نجات دینے کے لئے اور توحید الٰہیہ کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور آپ نے اس غلطی کو جو مختلف ہادیوں کو معبود بنانے کے متعلق دنیا نے کھائی اس طرح پر ہمیشہ کے لئے دُور کر دیا۔ کیونکہ کلمہ شہادت کا دوسرا جزو

اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ

قائم کر دیا۔ پس یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص فضیلت ہے کہ آپ نے کلمہ لا الہ الا اللہ کی تکمیل کر دی اور وہی اس کے مستحق تھے۔

تمام قرآن کریم کو غور سے دیکھو گے تو اصل منشاء لا الہ الا اللہ ہی کا قائم کرنا ہے اور تمام سلسلہ نبوت و رسالت اسی مقصد کے لئے قائم ہوا اور اب اس سلسلہ کی بھی اسی لئے ضرورت ہوئی کہ لا الہ الا اللہ کے مفہوم سے لوگ ناواقف ہو گئے تھے اس کے معنے میں اللہ تعالیٰ توفیق دیگا۔ تو درمیان میں بتاؤں گا۔ فی الحال میں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بیج کی طرح کس طرح میرے دل میں آیا۔ اور پھر کامل استقلال اس سے کس طرح پیدا کیا یہ میں آپ ہی تمہیں سناتا ہوں ممکن ہے تم میں سے کسی کو فائدہ ہو اور کوئی اپنی اولاد کی تربیت کے لئے مفید سبق حاصل کرے۔

امیر المؤمنین کی تربیت

پہلے پہل میری تربیت کیونکر ہوئی اور لا الہ الا اللہ کا اثر مجھ پر کیسے پڑا؟ تم یہ سن کر تعجب کرو گے کہ یہ اثر مجھ پر ماں ہی کے پیٹ میں پڑا یہ نکتہ اب علم طب نے مجھ پر کھولا ہے کیونکہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ والدہ کے خیالات کا اثر پیٹ میں

ابھی وہ موقعہ مجھے ملا نہیں تھا کہ خدا تعالیٰ نے

یہ صورت پیدا کر دی جو تم دیکھتے ہو۔

یہ خدا تعالیٰ کے عجائبات ہیں وہ جن کو انسان نہیں سمجھ سکتا غرض میں چاہتا تھا کہ چودہ سو احباب ہوں یہاں کئی چودہ سو مل گئے۔ بغیر کسی کوشش اور محنت کے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے۔ دیتا ہے۔

حضرت مولوی نور الدین بحیثیت امیر المومنین

اب میں تم میں اس حیثیت سے کھڑا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے تم ہی میں سے

تمہارا امیر بنا دیا

اب معاً سوال ہوتا ہے کہ تم تو ملہم نہیں کسی امر کے مدعی نہیں تم ہمیں سناؤ گے تو کیا سناؤ گے؟ یہ سوال علی العموم پیدا ہو سکتے ہیں۔

ازالہ وہم

ہم کس طرح سنیں وہ تو مسیح تھے مہدی تھے۔ کرشن تھے۔ امام تھے خدا تعالیٰ کا کلام ان پر اترتا تھا وہ تو چلے گئے۔ یہ تو کل ہمارے جیسا ایک مرید تھا۔ شیخ کس طرح بن گیا۔ اگر اسکی سنیں تو کیوں سنیں اور وہ ہمیں سنائیگا کیا؟ کیا مسیح و مہدی ہمارے لیئے کیا کم چھوڑ گئے تھے اسی کے قریب تو کتابیں ہی لکھ گئے ہیں کیا وہ ہمارے لئے کافی نہیں؟ یہ سوال بڑے ناعاقبت اندیش لوگوں کا ہے جو خدا تعالیٰ کی سنت کا علم نہیں رکھتے اسلیئے انہیں سمجھ نہیں یاد رکھو یہ سلسلہ میری پہلی تربیت کا نتیجہ ہو گیا اگر اس قسم کے سوالات کو کوئی وقعت دیجاوے تو پھر تمام انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ہی باطل ہو جاوے۔

مثلاً آدم علیہ السلام کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وعلم آدم الاسماء

کلھا۔ اب آدم کے بیٹے کہتے کہ ابراہیم اور نوح کون ہیں ہم کیوں ان کی سنیں اور مانیں ابا جان کو اللہ تعالیٰ نے سب کچھ سنا دیا وہ تو ایسے تھے کہ سجد الملٰئکۃ کلھم اجمعون پھر یہ کون ہیں! یہ تو واقعہ گذشتہ ہے وہ نقد سناتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی جمیع کمالات جن کی نسبت میرا اعتقاد ہے کہ وہ خاتم انبیا خاتم النبیین۔ خاتم الرسل خاتم الحکم۔ خاتم الاولیا بلکہ خاتم انسانیت بھی وہی ہیں غرض سب انکے نیچے ہیں یہ مضمون بہت بڑا ہے اور اسوقت میں اسپر تفصیل کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ خلاصہ یہ کہ وہ سچ اور برحق کل کمالات انسانیہ کا جامع ہے اب اگر آپ کے بعد کوئی ابوبکرؓ کی خلافت کو نہیں مانتا تو اسکے متعلق خدائی فیصلہ یہ ہے من کفر بعد ذٰلک فاولٰئک ھم الفاسقون خلافت کے منکر کا نام خدا تعالیٰ کی کتاب میں فاسق رکھا ہے اور ادھر ابوبکر رضی اللہ کہتے ہیں کہ جو میرے خلاف ہے اسے قتل کرو۔

خلافت کی ضرورت

اصل بات یہ ہے کہ نئے نئے دشمن پیدا ہوتے رہتے ہیں پس انکے مقابلہ کے لئے نئے خلیفوں کی بھی ضرورت ہوتی رہتی ہے اسی بنا پر قرآن مجید نے فرمایا ما یاتیھم من ذکر من ربھم محدث الا استمعوہ وھم یلعبون لاھیۃ قلوبھم۔ اس آیت پر غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ کسوقت خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی ذکر آتا ہے اور اسوقت لوگونکی کیا حالت ہوتی ہے پس ایسے وقت میں خدا تعالیٰ کے

واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا

فضل کو حاصل کرنیکی کوشش کرنی چاہیئے اعتراضات اور سوالات کی راہ کو اختیار کرنا نہیں چاہیئے کیونکہ وہ خطرناک راہ ہے خدا تعالیٰ کا فیضان جماعت پر نازل ہوتا ہے میں نے مدرسہ میں رسہ کی ایک کھیل دیکھی ہے کچھ لڑکے اسکے

ایک طرف ہوتے ہیں اور کچھ دوسری طرف پس جس طرف کے متفق ہو کر پورا زور لگاتے ہیں وہ دوسروں سے جیت لیجاتے ہیں اور جس طرف کوئی کمزوری ظاہر کرے اور پوری اتفاق سے کام نہ کریں تو وہ ہار جاتے ہیں اس کھیل کو دیکھ کر مجھے قرآن مجید کی ایک آیت حل ہو گئی ہے اور وہ یہ ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً۔ خدا تعالیٰ مسلمان کو کہتا ہے کہ تم سب ملکر اس رسہ کو کھینچو دشمن دوسری طرف سے اسکو کھینچ رہا ہے اب اگر تم سُست ہو کر بیٹھ رہو اور یہ سمجھ لو کہ اس سے پہلے ہم فتح پا چکے ہیں تو اسکا نتیجہ یہ ہو گا کہ دشمن رسہ لیجاویگا مگر تم بتاؤ کہ کیا ہمارے اعدا سب مٹ گئے جب یہ بات نہیں ہے تو پھر اعدا کی مدافعت کی کیوں ضرورت ہے یہ سچ ہے کہ مسیح حجت بالغہ عیسائیوں پر ختم کر گئے ہیں آریوں اور برہموں پر بھی حجت پوری کی مگر کیا آریہ برہمو اور عیسائی مر گئے؟ کیا انکی طرف سے اسلام پر بدستور حملے نہیں ہوتے؟ پھر جب انکی طرف سے اسی طرح پر حملے ہو رہے ہیں تو تم خدا سے باغی ہو کر کیوں کہتے ہو؟ کہ ہمیں کسی کی ضرورت نہیں میرے نزدیک اس رسہ کو اب پہلے سے زیادہ زور اور طاقت اور اتفاق سے ملکر کھینچنے کی ضرورت ہے اسلیئے کہ ان سپاہیوں میں سے ایک جو سب سے زیادہ طاقتور اور گویا بطور جرثقیل کے تھا ہم میں سے جاتا رہا اور اس وجہ سے دشمن کا حوصلہ بڑھ گیا ہے پس اسی صورت میں زیادہ زور لگانے کی حاجت ہے پس یہ کہنا کہ اب فلاں فلاں ہوتا کیا ہے؟ کیا کوئی تصنیف کریگا اور کیا کہیگا؟

اس قسم کے اعتراضوں سے بچنا چاہیئے کیونکہ یہ اعتراض پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پڑتا ہے اگر ابوبکرؓ کو نہیں مانتا تو پھر یوں کہو کہ محمدؐ

اور علی رضی اللہ عنہ پر پڑتا ہے جب علی رضؓ پر ایمان لا چکے تو اب **مہدی** کے کیوں منتظر ہیں غرض ایسے اعتراضوں سے بچنا چاہیئے۔

ضرورت اجتماع اسوقت ضرورت ہے اجتماع کی پھر کیا یہ اجتماع ایک ہی وقت کے لیئے کافی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ نہیں اسکی ہمیشہ ضرورت ہے دیکھو لاالٰہ الااللہ کیلیئے بھی پانچ وقت کی نماز کی ضرورت ہے پھر کہہ سکتے ہیں کہ صبح کو جو اکٹھے ہوئے تھے تو ظہر عصر اور مغرب اور عشاء کو اجتماع ضرورت ہے؟ پھر ہر جمعہ کو اکٹھے ہونے کی کیوں ضرورت ہے؟ پھر عیدین کیوں جمع کرتی ہیں؟ پھر حج کیوں جمع کرتا ہے یہ ایک نیا سوال ہے اسی طرح پر ایک وقت کی روٹی کھالی تو پھر دوسرے وقت کی کیا ضرورت ہے؟ اسی طرح پر یہ سلسلہ سوالات کا قابل غور ہے مین یہ اسلیئے بیان کرتا ہوں تاکہ تم سمجھو کہ اجتماع کی ہر وقت ضرورت ہے یہ مت سمجھو کہ ایک ممبر جو ضرور تا چلا گیا ہے جیسا کہ ہمارا **امام** چلا گیا ہے تو اس سے ہمیں کم حوصلہ ... ہونا چاہیئے ایسا نہ ہمت ہارنی چاہیئے اگر ایسا کروگے تو رسہ کوئی اور لے جائیگا پس ہمیں **امام** کے چلے جانیکے بعد بھی اسی طرح وحدت اتفاق اجتماع اور پر **جوش روح** کی ضرورت ہے۔

یہ اجتماع کیوں ہے؟ بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک اجتماع کی ضرورت محسوس ہوئی اب میرے سامنے ایک اجتماع ہے مین پوچھتا ہوں کہ یہ اجتماع کیوں ہے؟ تمہارے اکٹھے ہونیکی کیا غرض ہے؟ مین تو تمہارے پاس نہیں گیا تم جو یہاں آئے ہو اور روپیہ خرچ کرکے آئے ہو تم نے سوچ ہی لیا ہوگا کہ کیوں آتے ہو؟ سردی کا موسم ہے گھروں مین بیماریاں ہین تھوڑی سی ... کھانسی ہو جاتی ہے ایسی حالت

ہیں جو اس سفر کو تم نے اختیار کیا ہے اس کی غرض کو تم ہی سمجھتے ہو کیا یہ مطلب ہے کہ آؤ تو مجھے بھی روپیہ دے جاؤ یہ بھی ایک سوال ہے پھر مین پوچھتا ہوں کہ تمہارے کیا اغراض ہیں تم نے جو تکلیف اٹھائی ہے کیوں؟ مین تو نہیں جانتا کہ تمہیں دال ملتی ہے یا کیا مگر گھر مین ممکن ہے کباب ملتے ہوں یہاں سونیکے لئے کسیر اور پرالی ہے اور گھر پر پلنگ اور گرم بستر ے ہین رات کو اگر کسی کو احتلام ہوجائے تو شاید گرم پانی ملے یا نہ ملے مین تمہارے اغراض کو کوئی معلوم نہیں کرسکتا میرے ایک دوست نے لکھا ہے کہ اسلیئے کثرت سی جمع ہونا چاہیئے تاکہ لوگ سنیں نہیں میرے دل مین یہ خیال نہین کیونکہ یہ رہا ہے سمجھتے ہے معلوم نہین اگلے سال ہم ہوں یا نہ ہوں اسلیئے مین کھول کر کہتا ہوں کہ میری غرض یہاں تک نہیں لعنت ہے اگر میرے دل مین مخالفوں کو ذرا بھی خیال ہو کہ وہ کہتے کیا ہین ہاں یہ سچ ہے کہ اجتماع ضروری ہے اور یا ایسا ضروری ہے کہ اسکے بدوں کام نہین چلتا تم بھی ایک اجتماع کرتے ہو اور اسکے نتائج سے واقف ہو مگر یہ اجتماع کیوں ہوا اسکے کیا اغراض ہین؟ میرے اور دوست بھی یہاں ہین مین نہیں جانتا انکے اغراض کیا ہین اور وہ اس اجتماع کی کیا غرض قرار دیتے ہین ہمارے اخبار کے ایڈیٹر ہین مین نہین کہہ سکتا کہ انہوں نے اسکی کیا وجہ سمجھی ہے؟ غرض ہر شخص اپنی نسبت خوب سمجھ سکتا ہے اور دوسروں کی بابت وہ کچھ نہین کہہ سکتا کہ انہوں نے اسکی کیا وجہ سمجھی ہے غرض ہر شخص اپنی نسبت خوب سمجھ سکتا ہے اور دوسرونکی بابت وہ کچھ نہیں کہہ سکتا مین اپنے اغراض جانتا ہوں کہ یہاں کیوں آیا؟ اسلیئے مین انکو ہی بیان کرتا ہوں

اول مین قادیان کیوں آیا

مختصر الفاظ مین یہ سمجھ لو کہ مجھے لا الٰہ الا اللہ کی تکمیل کی خواہش لائی تھی۔ مین یہاں قرآن سمجھنے کے لیئے آیا تھا اور یہی میری غذا ہے یہ غذا اگر آٹھ پہر مین استعمال

کردوں تو میں مرجاوں پس یہی میری خواہش اور غرض تھی اور اسکے سوا مجھے کوئی مطلب نہ تھا اور تم غور کرسکتے ہو کہ کوئی اور غرض ہو بھی نہیں سکتی جو کسب میں جانتا ہوں وہ شہروں میں رہکر زیادہ میرے لیئے نفع مند ہوسکتا ہے اگر میری غرض اس سے بھی روپیہ کمانا ہوتا میرا لڑکا اتنا بڑا نہیں جو اپنے لیئے خرچ کرسکے میں اسکی تعلیم کیلیئے خود روپیہ دیتا ہوں وہ جو کپڑا پہننے کی خواہش کرے میرے پاس خدا کے فضل سے وسعت اور توفیق ہے کہ میں اسکے لیئے مہیا کروں پھر جب یہ حالت ہے تو میں اپنے رب پر بدظنی کرسکتا ہوں کہ جہاں اس نے اسقدر عرصہ تک مجھے اور میرے متعلقین کی ضرورتوں کیواسطے مجھے بہتر سے بہتر سامان دیتا ہے وہ آیندہ نہ دیگا؟ میرے جیسا انسان جس نے خدا کے فضلوں کو عجیب عجیب طور پر محسوس کیا ہو جس نے جنگلوں اور بیابانوں میں اسکی قدرت کے کرشموں کو اپنے لیئے دیکھا ہو یہ وہم بھی نہیں کرسکتا اور پھر عمر کے اس حصہ میں جب کہ ستر برس سے متجاوز ہوگئی ہے اور وہ بہت ہے اور باقی تھوڑی رہ گئی ہے غرض مجھے یہاں جو چیز ہی۔ لا الٰہ الا اللہ کی تکمیل اور قرآن کریم کا فہم تھا جسکو میں حاصل کرنا چاہتا تھا اور جسکے لیئے میری اندر تڑپ تھی

اس کہانی کا مقصد یہانتک جو کچھ میں نے تمہیں سنایا بظاہر وہ ایک کہانی ہے مگر میں نے اس نیت سے اسے بیان نہیں کیا بلکہ میری غرض اس سے یہ تھی کہ تمہیں معلوم ہو کہ اول لا الٰہ الا اللہ پر پکے رہو اسکے لیئے پھر دعا ایک ذریعہ ہے اور بڑا ذریعہ ہے پھر ہمت اور استقلال سے کام لو اور چہارم قرآن شریف سے محبت کرو اور اسکے سمجھنے کی کوشش کرو تا کہ تمہیں معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ کو راضی کرنیکی کیا راہیں ہیں؟ اور جب اللہ تعالیٰ راضی ہو جاوے تو سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے اور یہی انسان کی اصل غرض ہے کہ وہ اپنے رب کو راضی کرے

سالک کے حالات جب انسان ان راہوں کی تلاش اور طلب میں ہوتا ہے تو وہ سالک کہلاتا ہے حضرت سید عبد القادر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ سالک پر کئی زمانہ گذرتے ہیں ایک وقت آتا ہے کہ اسے حکم ہوتا ہے کہ کچھ مت مانگو اور ایک وقت آتا ہے۔ کہ

مانگو اور فلاں آدمی سے مانگو ادھر فرشتہ اسکے دل میں ڈالتا ہے کہ اسے ذلیل کرکے نکال دو یہ حالت ایک خاص وقت ہوتی ہے اور وہ وقت آتا ہے جبکہ کثرت ذکر کی وجہ سے وہ اللہ کا بندہ اپنے اندر کبریائی کو محسوس کرتا ہے اسوقت انکی اصلاح اور ترقی مدارج کی یہ راہ ہے کہ انکے لیے مانگنے کا حکم ہوتا ہے اور ادھر مخلوق کو حکم ہوتا ہے کہ اسے جھڑک کر نکال دو جب ایسی حالت ہوتی ہے تو اسکی امید اللہ پر وسیع ہو جاتی ہے اور وہ پھر اسی طرف آتا ہے پھر ایک وقت حکم ہوتا ہے کہ قرضہ مانگو اور کہیں حکم ہوتا ہے کہ مت دو وہ کہہ دیتا ہے تم تو نکمے آدمی ہو تمکو دیگر کس سے لینا ہے ایسی حالتیں آتی رہتی ہیں اور یہ سب اصلاح کے مدارج ہیں پھر ایک وقت ان پر آتا ہے کہ مخلوق سے بالکل بے نیاز ہو جاتے ہیں اور کسی کی پروا بھی نہیں کرتے اسلیئے لکھا ہے کہ صوفی اپنی حالات اور واقعات کو ظاہر نہ

اپنی حالت کرے مگر میں بحمد اللہ اس سے متجاوز ہوں اور میں اپنے پچھلے دراز تجربہ پر یقین کرکے کہہ سکتا ہوں کہ میری آمدنی میرا کھانا میرا پینا۔ پہننا اور رہنے کے لیے مکان کا ملنا اور میری شوقوں کا پورا کرنا یہ ایک مخفی راز ہے جسکو کوئی نہیں سمجھ سکا مجھے نہ قرض کی ضرورت نہ سوال کی حاجت نہ چور کا ڈر نہ دھوکہ بازوں کا خوف میں اس مخفی راز کو ہرگز ظاہر نہ کرتا کیونکہ صوفیوں نے منع کیا ہے مگر میں قرآن شریف کے حکم کو مقدم کرتا ہوں وہ حکم دیتا ہے۔

اما بنعمۃ ربک فحدث

چندہ کیوں لیا جاتا ہے یہاں قادیان میں چندے آتے ہیں مگر میں ان میں سے اپنے لیے ایک کوڑی کا بھی روادار نہیں ہوں بلکہ جن اغراض کے لیے وہ چندے آتے ہیں میں خود ان اغراض میں چندہ دینے والوں میں حصہ لیتا ہوں یہاں ایک عمارت کی ضرورت ہے میں نے اسمیں چھ سو روپیہ کا وعدہ کیا ہے ابھی مجھ سے ایک امر کا ذکر کیا گیا ہے اور اسکے لیے میں ایک ہزار کا وعدہ کرکے آیا ہوں اور یہ میں اسی روز سے لینے والا ہوں جس سے پہلے کام چلاتا ہوں آگے میں باہر بیٹھتا تھا۔ اور لوگ سمجھتے تھے کہ میں طب کرتا ہوں اب تم دیکھتے ہو کہ میں باہر کم آتا ہوں بلکہ دن بھر تمہارے لیے کام کرتا ہوں میں اسکا کوئی اجر تم سے نہیں چاہتا ما اسئلکم علیہ اجرا

ہاں جس طرح پر خدا غنی ہے اور اسکا رسول بھی محتاج نہیں باوجود اسکے کہ وہ فرماتا ہے لا یسئلکم
اموالکم اور اسکا رسول ما اسئلکم علیہ اجرا کا اعلان دینے کے بعد بھی چندہ
اور نذر کو ہم کا حکم دیتے ہیں نہ خدا محتاج ہے اور نہ محمد رسول اللہ محتاج ہے مگر وہ خود کہتے ہیں کہ دو اس مانگنے
سے انکی غرض کیا ہے؟ یہ کہ تمہیں کچھ دلائیں اسی طرح پر اگر میں کچھ مانگتا ہوں تو اسی لئے
کہ تمہیں کچھ اور ملے اسلیئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا
یعنی جو شخص اللہ کیلیئے اپنے مال کو الگ کرتا ہے ہم اس کے اموال کو بڑھا دیتے ہیں غور تو کرو
کہ حضرت ابوبکرؓ نے اللہ تعالیٰ کے لیے چھوڑا کیا؟ اور لیا گیا؟ صدیقی شیخ کیا مزے اڑاتے ہیں
حضرت علی نے چھوڑا کیا اور پھر پایا گیا؟ ابتک بھی دیکھ لو کہ انکی اولاد کس مزے میں ہے سادات
کتنے ہی فسق و فجور میں مبتلا ہوں مگر لوگ انکی عزت کرتے ہیں اور نذریں دیتے ہیں مگر یہ چندے جو تم دیتے
ہو یا میرے ہاتھ میں دیتے ہو میں انہیں اپنے لئے نہیں لیتا میرے ہاتھ میں آیا اور میں نے دیانت کے ساتھ اسے دوسری
جگہ پہونچا دیا مگر ایک نے کل اور دو نے آج کہا کہ ہم تخصیص کرتے ہیں اور الحاح سے کہا تو میں نے سمجھ کر کہ
خدا دلاتا ہے لیا یا میر اللباس ہے میں بنانا نہیں چاہتا بعض دوستوں نے ایسا کیا ہے کہ کوئی کپڑا انہوں
نے بھیجدیا تو میں نے انکار نہیں کیا یہی کوٹ ہے جو ایک عزیز نے دیا ہے اور مجھ سے خواہش کی کہ آج ہی پہن لو۔
یا پھل آتا ہے تو میں اسکے لینے میں مضائقہ نہیں کرتا۔

غرض چندوں کے متعلق بڑے بڑے عجائبات ہیں اور یہ چندے انبیاء کے ساتھ بھی رہے اولیاء کے
ساتھ بھی رہے ہماری امام کیساتھ بھی اور ہمارے ساتھ بھی وابستہ ہیں اور ہمارے بعد بھی رہینگے
پھر چندہ دینے والوں کی بھی بعض اوقات مشکلات آتی ہیں ہمارے دوستوں خاص دوستوں میں
لنگوٹیے دوستوں میں سے ایک حکیم فضل الدین ہیں انہوں نے ہزاروں روپیہ کی جائداد دیدی ہے مگر بھائیوں
اور انکے رشتہ داروں کو خیال ہی آیا۔ کہ یہ سب کچھ مال بٹورنے کے لیے چالاکی ہے حالانکہ اتنا نہیں سوچا کہ وہ مال
لے کہاں جاویگا اسکی نہ جوانی کی عمر ہے نہ اولاد ہے نہ کوئی حقیقی بھائی اور ماؤں سے بھائی ہیں انکو یہی
شبہ ہے پہلے وہ نیک سمجھتے تھے مگر یہ تو برا آدمی ہے اس قسم کے مشکلات بھی آجاتے ہیں مگر جو شخص خدا

کے لیے دیتے ہین انکو ان باتوں کی کیا پروا؟

تم اپنے چندوں کی نسبت مطمئن رہو کہ وہ جس غرض کے لیے آتے ہین اسی پر خرچ ہوتے ہین یاد رکھو انکی نسبت کسی قسم کی بدظنی نیک نتیجہ نہین دے سکتی مینے اپنا حال تو تمہیں بتا دیا کہ تمہارا بھل تنزیئی یا لباس تو مین لے لیتا ہون مگر روپیہ کے لیے نہ نمبردار بنا اور نہ اس غرض کے لیئے تم سے بیعت لی اور نہ مینے یہ سمجھا ہے کہ تم اس غرض کے لیے جمع ہوئے ہو اور نہ مین اس مقصد کے لیے کھڑا ہوا ہینو یا میرے دوستوں نے اگر کہا تو وہ اس قسم کی بات ہوگی جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے باوجود غنی ہونیکے زکوۃ کا حکم دیا ہے یا حضرت امام دیتے تھے مین بھی اسی طرح تمہیں دلانیکے لیئے کہتا ہون۔

مالی مشکلات اور اعتراضات اموال کے جمع ہونے پر بھی مشکلات پڑتے ہین مین انجمن حمایت اسلام کو اچھا سمجھتا ہون اور وہ غنیمت ہے مگر اسپر بھی حملے ہوتے ہین اور مالی جھگڑے پیدا ہو جاتے ہین علی گڑھ مین ایک ہندو مال کھا گیا اور بڑے مشکلات پیدا ہوئے یہ کچھ ان ہی پر موقوف نہیں ہر ایک انجمن مین ایسے مشکلات پیدا ہوتے ہین مگر مین تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم **اس دکھ مین نہ پڑنا** اگر ہم تم سے شرارت کیساتھ مال لین گے۔ تو ہمارے سزا دینے کیلیئے تمہارا **الصمد کافی** ہے تم یہ کہو کہ مومن تھے کہ ہم نے دھوکا کھایا شکایت کی راہ ٹھیک نہین اس سے پہلے ایسی قومین گذری ہین جنہوں نے اس راہ کو اختیار کرکے فائدہ نہین اٹھایا

اول عیسائی ہین وہ اپنے مذہب کی کوئی خوبی نہیں بتا سکتے انہوں نے نبیوں پر معائب ہی کا دروازہ کھولا ہوا ہے کریں کیا؟ کفارہ کا مسئلہ بدوں اسکے چل سکتا ہی نہیں اور مذہب مین کوئی خوبی نہیں پھر انکے شاگرد شیعہ ہیں وہ صحابہ کی بدیوں کے بیان کرنے پر لگے رہتے ہیں اور کوئی عیب کی بات ہو صحابہ پر لگا دینے مین دلیر ہیں یہ تو وہ پرانی قومیں ہین تیسری قوم اب پیدا ہوئی ہے یہ آریہ کی قوم ہے انکا بھی یہی پیشہ ہے کہ دوسری کی بدیان بیان کر دیتے ہیں دلیر ہین اور اپنی کوئی خوبی نہیں رکھتے اسلیئے انہوں نے مجبور ہو کر یہی سوچا کہ معائب کا دروازہ کھولیں خدا تعالیٰ کی نسبت تو انکا یہی عقیدہ کہ وہ کسی چیز کو بلا مادہ پیدا ہی نہیں کر سکتا اور

اخلاقی قول یہ کہ حقوق العباد مین یہ تجویز کیا کہ اگر کسی کے اولاد نہ ہو تو وہ عورت کسی اور سے ہم بستر ہوکر اولاد لے لے اور اسکا نام انہوں نے نیوگ رکھا۔ اب جس قوم کی یہ حالت ہو وہ دوسرونکو معائب بیان نہ کرے تو کیا کرے؟

چوتھے ہمارے مخالف مسلمان مین ایک لڑکا بھی لکھتا ہے کہ لنگر خانہ کا خرچ ہی کیا ہے؟ اسی مین ہوتا ہی کیا ہے تم اعلیٰ درجہ کا لباس پہنتے ہو تم فلاں غلطی کرتے ہو یہ کرتے ہو وہ کرتے ہو۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ یہ لوگ کیوں ایسی غلطی کرتے ہو۔ جسکا نتیجہ نیک نہیں۔

عیسائیوں نے اس راہ پر قدم مارا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبول کرنیسے رہ گئے شیعوں نے قدم مارا وہ سچائیوں کے لینے سے رہ گئے آریوں نے اس سے کیا فائدہ اٹھایا جو تم انکی راہ اختیار کرتے ہو۔

پس تم اس راہ سے بچتے رہو تم نے اگر دہوکہ سے مال دیدیا اور ہم نے فریب سے لیا تو اسکا وبال ہماری جان پر ہے تو پھر تم کیوں ہمارا معاملہ اللہ پر نہیں رکھتے؟

ہمارے لباس پر حضرت صاحب کے لباس پر جو اعتراض کرتے ہیں وہ ناواقف ہیں اسی شہر میں ایک ہندو نے مجھے کہا کہ حضرت صاحب بادام روغن کا پلاؤ کھاتے ہیں مینے اسکو یہی جواب دیا۔ کہ ہمارے مذہب مین حلال ہے۔

سید عبد القادر گیلانی ؒ نے ایک مرتبہ پانسو پونڈ کا صافہ پہنا ہوا تھا کسی نے اعتراض کیا کہ ایسا گراں قیمت تو عباسی خلیفہ نے بھی نہیں پہنا ہوا تو آپنے جواب دیا کہ خدا کہتا ہے پہن لو ہم نے پہن لیا۔

غرض طعن کا دروازہ کھولنا نالایق آدمیونکا کام ہے اس سے پچھو کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہی باتیں جو کیں ہیں یہ بھی لینے کا ایک طریق ہے اور ایسے بکدل بھی ہیں۔ جو یہ یقین کرتے ہیں جو کچھ کہا ہے دردِ دل سے کہا ہے جماعت میں اس قسم کے سوال پیدا ہو جاتے ہیں اب کثرت کس طرف ہو اور قلت کس طرف میں نہیں کہہ سکتا۔ ہاں مینے جو کچھ کہا ہے دردِ دل سے کہا ہے اب اپنے خیال کو موافق

بچہ پر پڑتا ہے بلکہ ان خیالات کا ذخیرہ ایک سال پہلے سے جمع ہوتا ہے اور پھر ان کا اثر بچہ قبول کرتا ہے۔ میری ماں پڑھی ہوئی تھی اور اچھی پڑھی ہوئی تھی۔ قرآن کریم کو خوب سمجھتی اور سمجھاتی تھی۔ صبح سے شام تک اسی کا شغل رکھتی۔ پس ان کے اس پاک شغل نے حمل کے اندر مجھے قرآن مجید کا اثر پہونچایا اور اس طرح یہ لاالہ الا اللہ کی تخم ریزی میرے اندر ہوئی۔ اس کہانی کے سنانے سے میری غرض کیا ہے؟ یہ کہ تم میں سے جو والدین ہیں وہ اپنے خیالات میں پاکیزگی پیدا کریں تاکہ بچے پاکیزہ خیالات کا اثر لیکر پیدا ہوں اور جو ابھی شادی شدہ نہیں وہ اوان کے متولی اور سرپرست ان کے لئے

نیک عورتیں بیاہنے کی کوشش کریں

نکاح کی عام اغراض

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ نکاح کرتے وقت کبھی تو اعلیٰ درجہ کی خوبصورتی کا لحاظ کرتے ہیں اور کبھی مال اور جاہ و جلال تلاش کرتے ہیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ہدایت کی ہے وہ یہ ہے:۔

علیک بذات الدین

کیا معنی تم دیندار عورت کی جستجو کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر کیسی وسیع اور صاف ہے، طبی تحقیقات نے آج یہ نکتہ بتایا کہ ایک سال پہلے کے خیالات کا اثر بچہ پر پڑتا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرہ سو سال پہلے نکاح کی غرض و غایت بتاتے ہوئے اس اصل کو ملحوظ فرمایا۔ بہت سی خوبصورتی، مال والوں اور اعلیٰ جاہ و جلال والوں کی تلاش اگرچہ کسی حد تک مفید ہوتی ہے لیکن ایک دیندار ماں کے ذریعہ جو پاک اثر ماں کا اولاد پر پڑتا ہے وہ کسی دوسری صورت سے ممکن نہیں۔ میں نے اپنی ماں سے بہت فائدہ اٹھایا اور میں اس کے

جو کچھ کسی کا جی چاہے سمجھ لے کلا نمد ھولاء وھولاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظورا ۔ چندے تو ضرور دینے پڑیں گے دل سے دو گے بہتر بدلہ ملیگا ریا اور لحاظ سے دوگے۔ تو کچھ بھی فائدہ نہیں غرض میں نے تمہیں بہت کچھ سکھ کی باتیں سنائی ہیں لا الٰہ الا اللہ پر پکے رہو دعا عقد ہمت اور استقلال سے کام لو خدا تعالیٰ کی رضا کی کوشش کرو اللہ اس کی راہ معلوم کرنیکی ایک ہی تجویز ہے کہ قرآن مجید کو سمجھو۔

خدا تعالیٰ کیسے کیسے لوگوں سے عجیب بات کہلوا لیتا ہے کرزن گزٹ ایک اخبار دہلی سے نکلتا ہے اسنے جہاں حضرت صاحب کی وفات کا ذکر کیا وہاں یہ بھی لکھا کہ اب مرزائیوں کے پاس رہ ہی کیا گیا ہے انکا سر کٹ چکا ہے اب جو شخص انکا امام بنا ہے اس سے اور تو کچھ نہ ہوگا

وہ قرآن سنایا کریگا

میں نے اس فقرہ کو پڑھکر سجدہ شکر کیا اللہ کرتا ہوں خدا کرے کہ تم قرآن ہی سنو اور قرآن ہی سناؤ۔ یہ اس نے بہت ہی عمدہ بات کہی ہے جو دشمن کے منہ سے نکلی ہے میں جو بات تمہیں سنانی چاہتا ہوں وہ یہی قرآن مجید ہے اب معلوم نہیں کتنا عرصہ ان باتوں میں نکل گیا اب میں تمہیں اسی قرآن کی چند آیتیں سناتا ہوں مگر میں پڑھتا ہوں کہ میں لا الٰہ الا اللہ کو مانتا ہوں محمد رسول اللہ کو خاتم الانبیا اور خاتم الرسل یقین کرتا ہوں بلکہ خاتم الانسان مانتا ہوں ان دونوں پر یقین کے بعد دعا کا پھر عقد ہمت اور استقلال کا پھر قرآن کا فضل مجھے ملا ہے یہ اصل منشا ہے پروگرام میں لکھا ہے۔ کہ ایک گھنٹہ بیان کروں (اور آوازیں آئیں ۔ کہ نہیں جب تک حضور چاہیں بیان کریں) مگر میں یوم اور بعض یوم کے تحت میں اس گھنٹہ کو بھی رکھ لیتا ہوں اور تمہیں قرآن سناتا ہوں ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ۔ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون وعدا علیہ حقا فی التوراۃ والانجیل والقرآن ومن اوفی بعھدہ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی

بایعتم بہٖ ؕ وذٰلک ھو الفوز العظیم ؕ التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحٰفظون لحدود اللّٰہ ؕ وبشر المؤمنین ۝

یہ گیارہویں سپارہ کی تھوڑی سی آیتیں ہیں جو میں تمہیں سنانی چاہتا ہوں۔ میں دردِ دل سے ہاں سچے دردِ دل سے سناتا ہوں تم دردمند دل لیکر سنو!

امیر المومنین کی دعا قوم کے لئے میں تمہارے لئے کس کس قسم کی دعائیں کرتا ہوں اگر دشمن کو بھی علم ہو تو وہ حیران ہو جاوے۔ ان دعاؤں میں سے ایک کے چند فقرے تمہیں سناتا ہوں تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ میں تمہارے لئے کیا چاہتا ہوں میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ترقی دے اسنے تمکو جو سچائی عطا کی ہے اسکی قدر تمہیں سکھائے تاکہ تم اسکا شکر کرسکو وہ تمہیں اس سچائی پر قائم رہنے کی توفیق دے اور استقامت بخشے تم دین کے خادم بنو روح القدس سے موید ہو اور امراض جسمانیہ اور روحانیہ آفات سماویہ اور ارضیہ اور ہر قسم کے فتن سے بچ جاؤ تم مظفر و منصور ہو جاؤ اور اسلام کی سچائی کے مظہر اور نمونہ بنو یہ دعائیں میں دردِ دل سے کرتا ہوں اور اسی نے یہ درد مجھے دیا ہے جس نے مجھے یہ مقام عطا فرمایا اس لئے میں اپنے لئے بھی اس مقام کی ذمہ واریوں اور مشکلات کو دیکھکر ابن عمران کی طرح دعا کرتا ہوں۔ علیہ السلام

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ

یعنی اے میرے مربی میرے سینہ کو کھولدے اور میرے لئے میرے فرض منصبی کو آسان کردے میری زبان کو گویائی عطا فرما تاکہ میری باتیں سننے والے میری کلام کو سمجھ سکیں۔

وزراء پھر میں یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ میرے بھی وزراء ہوں۔ جو میرے بازو کو قوی کریں اور میرے بوجھ کو ہلکا کریں انکی غرض اور مقصود اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے وہ مومن ہوں مخلص ہوں محسن ہوں انکو

ہر کام میں ہر حرکت و سکون میں اللہ ہی کی رضا، اصل منشا ہو وہ دنیا اور اسکی خیالی عزتوں اور برائیوں سے اپنے نفس کو پاک کرنیکی توفیق پائیں عاجزی اور فروتنی سے دین کی خدمت کرنیوالے ہوں

واعظان سلسلہ پھر میں چاہتا ہوں اور ویسے چاہتا ہوں کہ تم میں واعظ ہوں اس خواہش کے لیے تڑپتا ہوں روتا ہوں یہ واعظ جلوہ بر محراب و منبر می کنند کے مصداق نہ ہوں بلکہ یہ کہ ان میں اخلاص کامل ہو وہ فی الحقیقت یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف وینہون عن المنکر نہ نرے قوال ہی ہوں بلکہ عملی رنگ میں واعظ ہوں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کی حقیقی راہ کا علم ہو اور اللہ ہی کی رضا کے لئے کام کرنیوالے ہوں سست نہ ہوں صابر اور جفاکش ہوں ایسے لوگ جب خشیۃ اللہ سے کام کریں گے تو میں خدا تعالیٰ کے فضل سے یقین کر سکتا ہوں کہ دنیا کے لئے ایسے وجود بابرکت ہونگے یہ میری خواہشیں ہیں اور میں اپنے رب پر یقین رکھتا ہوں کہ چونکہ یہ اسی کے لئے ہیں وہ جب چاہیگا ان کو پورا کردیگا۔ اب اسکے بعد ان آیات کا مطلب تمہیں سنانا چاہتا ہوں۔

ان آیات اللہ میں اول اللّٰہ کا لفظ آیا ہے اللّٰہ کے معنے ہیں تمام کامل صفات سے موصوف اور تمام بدیوں سے منزہ ذات اللہ حقیقی معبود جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں اس نام پر قربان ہو جاؤں جی چاہتا ہے کہ اسکی تفصیل بہت کھول کر سناؤں مگر اسوقت اتنے ہی پر بس کرتا ہوں پھر اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا اور صحت اور وقت میسر آیا تو سناؤنگا غرض اس اللہ نے لیا ہے مومنوں سے انکی جانوں اور مالونکو (اس سے معلوم ہوا کہ اب مومن نہ اپنی جانوں کے مالک ہیں نہ مالوں کے) مگر اللہ کے لینے سے یہ مال و جان ضائع نہیں ہوتے بلکہ ہمارے حضور موجود ہیں ما عندکم ینفد و ما عند اللہ باق اللہ تعالیٰ نے جو اس جان اور مال کو لیا کس چیز کے بدلے بان لہم الجنۃ۔ اس غرض کیلئے کہ تمہیں جنت کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیں لڑو مرو اللہ کی راہ میں کیونکہ اللہ کی راہ میں مجاہدہ کرنیوالوں کے لیے جنت ہے یہ وعدہ ہے جو توراۃ میں بھی ہے اور انجیل میں بھی اور قرآن شریف میں بھی پس جو کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس عہد کو ایفا کریگا۔ اسکو بشارت ہو یہ خوشی کی خبر سن لو کہ یہ عجیب بیع ہوئی ہے میں نے اللہ کے لفظ کے متعلق وقت صحت اور توفیق ہونے پر کچھ اور بیان کرنیکا وعدہ کیا ہے

اب دوسرا لفظ مومنین ہے۔ میں نے جہاں تک غور کیا ہے۔ قرآن شریف اور احادیث سے ۴۵ کے قریب ایمان کے شعبے ثابت ہوتے ہیں۔

ایمان کے شعبے

قرآن مجید کے پارہ ۲۶ میں آیا ہے۔ انما المؤمنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ۔ اس آیت میں پانچ باتیں ایمان کی بتائی ہیں۔ (۱) اللہ پر ایمان لانا (۲) اس کے رسول پر ایمان لانا۔ (۳) ان کے احکام میں شبہ نہ کرنا (۴) مالوں کے ساتھ کوشش کرنا۔ (۵) اپنی جان سے کوشش کرنا۔

پھر فرمایا۔ فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ یعنے مومن ہوتا ہی نہیں۔ جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و[illegible] م کو ہر امر دین میں حکم نہ بنالے۔ اور پھر یہی نہیں۔ کہ حکم بنالے۔ بلکہ جو فیصلہ وہ کرے۔ اس فیصلہ کو شرح صدر سے قبول کرے۔ اور دل سے مانے۔ اور اس محبوب کے سامنے سر تسلیم خم رکھے۔ گویا (۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنانا (۷) اور آپ کے فیصلہ کو شرح صدر سے مان لینا۔

پھر فرمایا۔ انما المومنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ واذا کانوا معہ علی امر جامع لم یذھبوا حتی یستاذنوہ (پ ۱۸) اس آیت میں مومنین کی یہ صفت بتائی ہے (۸) کہ جب وہ کسی امر دین میں رسول اللہ اور اس کے جانشینوں کے ساتھ جمع ہوں تو جب تک وہاں سے اجازت نہ ہو۔ وہاں سے اُٹھیں نہیں۔

پھر (۹ و ۱۰) آیات الٰہی سنتے ہی فرمانبرداری کے لئے کامل طور پر جھک جانا۔ تسبیح اور تحمید کے لئے ہوشیار رہنا (بعض اس کے معنی الحمد پڑھنا بھی کرتے ہیں) اور تکبر نہ کرنا۔ چنانچہ فرمایا انما یومن بایاتنا الذین اذا ذکروا بھا خروا سجدا وسبحوا بحمد ربھم وھم لا یستکبرون۔

پھر (۱۱ و ۱۲ و ۱۳) خواب راحت کے وقت اوٹھ کر یاد الٰہی میں مصروف ہونا۔ خوف اور طمع پر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنا خدا تعالیٰ کے دیئے ہوئے سے خرچ کرنا۔ چنانچہ فرمایا تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفاً وطمعاً ومما رزقنھم ینفقون (۲۱ پ)

پھر (۱۴) اللہ اور رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے پسند کردہ فیصلہ سے الگ ہو جانا ما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللّٰہ ورسوله امراً ان یکون لھم الخیرة من امرھم (۲۲ پ)

پھر (۱۵ اور ۱۶) جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاوے۔ تو بدوں عذر کے سمعنا اور اطعنا کہے انما کان قول المؤمنین اذا دعوا الی اللّٰہ ورسوله لیحکم بینھم ان یقولوا سمعنا واطعنا۔ (۱۸ پ)

پھر (۱۷ و ۱۸ و ۱۹ و ۲۰ و ۲۱) اللہ تعالیٰ کی اس کتاب قرآن مجید پر ایمان لانا۔ تمام ان کتابوں پر ایمان لانا۔ جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ فرشتوں پر ایمان لانا۔ رسولوں پر ایمان لانا۔ یوم آخرۃ پر ایمان لانا۔ جیسا کہ فرمایا۔ یا ایھا الذین آمنوا آمنوا باللّٰہ ورسوله والکتٰب الذی نزل علیٰ رسوله والکتٰب الذی انزل من قبل ومن یکفر باللّٰہ وملائکته وکتبه ورسله والیوم الاخر فقد ضل ضلالاً بعیداً (۵ پ)

پھر (۲۲ و ۲۳ و ۲۴ و ۲۵) اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری۔ اللہ کے رسول کی فرمانبرداری۔ اولوالامر کی فرمانبرداری۔ اور اگر اُن کا حکم خلاف ہو۔ تو اللہ اور رسول کے حکم کو مقدم کرنا۔ اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (۵ پ)

اس آیت میں دو لفظوں کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ جو آجکل کی بیماریوں کے لحاظ سے بہت ہی ضروری ہے۔ یاد رکھو کہ کتاب اللہ کے علاوہ رسول کریم کی فرمانبرداری کی بھی بہت ہی ضرورت ہے اور بدوں اس کے ایمان کی تکمیل ہوتی ہی نہیں۔ اسی لئے فرمایا ہے ولقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنة۔

ایک قوم ہے جو کہتی ہے۔ کہ رسول اللہ کی فرمانبرداری کی ضرورت نہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ

اطیعوا الرسول سے مراد قرآن ہے۔ یہ دجال کی ایک قسم ہے۔ یہ جو کہتے ہیں۔ کہ اس سے شرک لازم آتا ہے۔ میں انہیں سورہ نوح کی ایک آیت سناتا ہوں۔ انی لکم منہ نذیر مبین ان اعبدو اللہ واتقوہ و اطیعون۔ پس اگر اطاعت الرسول سے شرک لازم آتا ہے۔ تو پھر اس کی بنا نوح نے ڈالی۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اصل یہی ہے۔ کہ رسول کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے۔ چنانچہ فرمایا من یطع الرسول فقد اطاع اللہ

اولوالامر سے مراد حاکم ہے۔ حکام کی فرمانبرداری کی تعلیم اسلام نے دی ہے۔ اور اس کو داخل شعب ایمان کیا ہے۔ ہم طوائف الملوکی میں بھی رہ چکے ہیں۔ جب ہم مکہ میں تھے۔ پھر حبشہ کی طرف جب ہجرت ہوئی۔ تو عیسائی سلطنت کے نیچے رہے۔ جمہوری سلطنت میں بھی رہے کیونکہ مدینہ میں جمہوری حکومت ہی تھی۔ پس ہمیں کسی حکومت کے ماتحت رہنے میں کوئی بھی مشکل نہیں مسلمانوں کو حکم ہے۔ کہ وہ سچے دل سے حاکم وقت کی اطاعت کریں۔ میرے دل میں اس کے لئے درد ہے۔ حکام کے مطیع اور فرمانبردار رہو۔ بلکہ میرا تو یہ جوش ہے۔ کہ سپاہی ہو۔ نمبردار ہو۔ اس کی بھی اطاعت کرو۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ کہ تم گورنمنٹ کے سچے فرمانبردار بنو۔ اور کسی ایسے منصوبے میں شریک نہ ہو جو اولوالامر کے خلاف ہو۔ جیسا کہ اب تک تم نے اپنے طرز عمل سے دکھایا ہے۔ آئندہ اور بھی مضبوطی سے اس پر عمل کرو۔ اسلام کی یہی ہدایت ہے۔ قرآن کریم نے یہی تعلیم دی۔ صحابہ کا نمونہ موجود ہے ہمارا امام اس کی تاکید کرتا آیا۔ اور اس نے متعدد کتابوں میں اس امر پر بحث کی۔ اور تم نے اس کے منہ سے سنا۔ اور میں بھی تمہیں وہی کہتا ہوں۔ جو تم پہلے سن چکے ہو۔ غرض اولوالامر کی اطاعت کرو۔

نمبر (۲۶) یہود اور نصاریٰ کو اپنے دل کا متصرف دوست نہ بنانا۔ یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیہود والنصاری اولیاء بعضھم اولیاء بعض الخ۔

نمبر (۲۷) مخالف یہود و نصاریٰ کو جو ہمارے مذہب پر چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں اُن کا

قرب نہ کرنا۔ یاایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزواً ولعباً من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم والکفار اولیاء واتقوا اللہ ان کنتم مومنین (پ ۶)

پھر (۲۸) جو اللہ اور رسول کے مقابلہ کرے۔ اس کے ساتھ پیار نہ کرنا۔ لا تجد قوماً یومنون باللہ والیوم الاٰخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ الایۃ (سورۃ مجادلہ پ ۲۸)

(۲۹) اللہ کے ساتھ ہمیشہ محبت کو بڑھائے رکھنا۔ والذین آمنوا اشد حباً للہ (پ ۲)

(۳۰) جہاں دینی مشکلات پیش آئیں۔ جماعت ہو یا ملک یا فعل اسے ترک کرنا۔ یعنے وہاں سے ہجرت کرنا۔

(۳۱) اللہ کی راہ میں کوشش کرنا۔ (۳۲) ہجرت کرنے والوں کے لئے جگہ بنانا اور جگہ بنانے کی کوشش کرنا (۳۳) مہاجرین کو ہر قسم کی مدد دینے کے لئے تیار رہنا۔ چنانچہ فرمایا سورۃ انفال رکوع ۱۰ ان الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا باموالھم سے آخر سورہ تک

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن وہی ہوتے ہیں۔ کہ جو مہاجرین کو جگہ دیتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں۔ مہاجرین کی نصرت اور اُن کو جگہ دینا ایمان کی تکمیل کے لئے ضروری ہے۔ اور نصرت دینا مومن کی شان ہے۔

(۳۵) مسلمانوں کے ساتھ برادرانہ سلوک سے پیش آنا۔ چنانچہ فرمایا انما المومنون اخوۃ (سورہ حجرات اٹھائیسواں نمبر ۱)

(۳۶) کوئی غلطی سے بیاج کا معاملہ ہو جاوے۔ تو اسے ترک کر دینا۔ ذروا مابقی من الربوا ان کنتم مومنین۔

(۳۷) سست نہ ہونا (۳۸) بہت غمگین نہ ہونا۔ ولا تھنوا ولا تحزنوا انتم الاعلون ان کنتم مومنین۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سست نہ ہو۔ اور غم کھاؤ۔ کیونکہ

یہ دونوں باتیں مومن کی شان سے بعید ہیں۔ مجھے بہت دُکھ پہونچتا ہے۔ جب کہ ایک مومن گھبرا جاوے۔ اور غم سے نڈھال ہو۔ کہ اس کی بیوی یا بچہ مر گیا ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس تو اس سے بہت بڑھکر چیز ہے۔ جبکہ کوئی معمولی حاکم کسی کے ساتھ ہو تو وہ نہیں گھبراتا۔ لیکن یہاں تو اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے انتم الاعلون پھر گھبراؤ کیوں ہو؟ میں نے بعض آدمیون کو ایسے موقعہ پر نصیحت کی ہے۔ چونکہ انسان کی عادت ہے۔ کہ وہ ملوم نہیں ہوتے۔ اس لئے میں نے دیکھا ہے۔ کہ ایسے موقعہ پر بہت سی آیات پڑھ دیتے ہیں۔ بعض نے کہا۔ کہ حضرت یعقوبؑ روتے رہے اور اندھے ہو گئے۔ مگر یہ بات غلط ہے۔ قرآن شریف میں تو صرف اتنا ہے۔ وابیضت عیناہ من الحزن۔ اور اس کے معنے ہیں۔ آنکھیں ڈبڈبا آئیں غرض حزن کا حکم نہیں۔ ہاں فطرتاً بے شک ہوتا ہے۔ پھر مومن کو کسی کی جدائی کیوں اتنا غم میں ڈالے۔ جب کہ خدا فرماتا ہے وان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ۔

(۴۳ لغائت ۴۴) اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر وقت سعی فی الدین کے لئے تیار رہنا۔ ظاہری اور باطنی فرمانبرداری میں کسی دوسرے کو خدا کا مقابل خیال میں نہ لانا۔ ناپنے میں۔ تولنے میں عام طور پر بھی کسی شخص کے نقصان کا روادار نہ ہونا کسی قسم کی شرارت کو دُنیا میں پھیلانا (سورہ اعراف آئت ۸۵)

(۴۵ لغائت ۴۹) جن کا باہم بگاڑ ہو۔ ان میں صلح کرانا۔ ایمان میں ترقی کرنا۔ خدا تعالیٰ کا نام درمیان آجاوے تو خدا تعالیٰ کے نام کی عظمت سے دل میں دھڑکا پیدا کرنا۔ توکل کرنا۔ نماز کو ٹھیک درست کرنا۔ خدا نے جو کچھ دیا ہے۔ اس میں سے خرچ کے لئے تیار رہنا سورہ انفال کے شروع میں ۵ آئتیں)

واصلحوا ذات بینکم کا خصوصیت سے اقرار بیعت میں تم نے لیا ہے۔ پس اس کو یاد رکھو۔

یہ باتیں ہیں۔ جو ایمان کے شعبے کہلاتی ہیں۔ اگر یہ خطبہ خدا کے فضل سے تمہیں لکھا گئے

مل گیا الحمد للہ کہ حضرت خلیفۃ المسیح سلمہ اللہ تعالیٰ کی یہ خواہش میرے قلم سے پوری ہوئی۔ ثم الحمد للہ علیٰ ذالک۔ ایڈیٹر) تو پھر کوشش کرو۔ کہ یہ باتیں تم میں پیدا ہوں۔ تاکہ تم مومن کامل بن جاؤ۔ ممکن ہے کہ بعض باتیں رہ بھی گئی ہوں۔ تاہم میرا خیال ہے۔ کہ بہت سی آگئی ہیں۔ پھر حدیثیں بھی ایمان کے شعبوں کا ذکر ہوا ہے۔

ان میں سے (۵۰) قدر خیر و شر کا ماننا بھی ہے۔ اس کا اصل قرآن مجید میں موجود ہے۔ خلق کل شیئ فقدرہ تقدیرا۔ خلق خیر و شر اسی سے نکلا ہے۔ اور اسی کا نام مسئلہ تقدیر ہے۔ اسی مسئلہ تقدیر پر ساری بلند پروازیاں اور کوششیں موقوف ہیں۔ فلاسفروں کے فلسفہ کا اعلیٰ مقام یہی ہے اور تمدن کی جڑ یہی ہے جو مسئلہ تقدیر نہیں مانتا وہ انسان نہیں۔ تقدیر کے معنے اندازہ کرنے کے ہیں۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے آنکھ کا کام دیکھنا ہے اور کان کا کام سننا۔ اب ان سے یہی کام لیا جائے گا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے قویٰ دیئے ہیں۔ ایک وہ جن پر اس کا کوئی دخل و تصرف نہیں۔ جیسے اس کے اندر خون بن رہا ہے۔ ہڈیاں بن رہی ہیں وغیرہ۔ اب ان پر کوئی حکم شریعت کا نہیں۔ زبان ہے۔ وہ مختلف قسم کے ذائقوں کو بتاتی ہے۔ اور اگر اس کی ہزار منت کی جاوے کہ تو میٹھے کو کھٹا کہدے۔ وہ کبھی نہیں کہے گی۔ ایسا نہ کرنے پر کوئی سزا نہیں۔ لیکن دوسری طرف اگر زبان سے خواہ کفر کا کام لیا جاوے۔ خواہ ایمان کا وہ اطاعت کے لئے تیار ہے۔ اسی پر قیاس کرکے اس مسئلہ کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے۔ مگر مسلمانوں کا عجیب حال ہے۔ ہر چہ گیرد علتی علت شود۔

اگلے زمانہ میں آدمی تو تھوڑے تھے اور جنگ کے لئے آجکل کی سی ایجادات نہ ہوئی تھیں اس لئے لڑائی کا یہ طریق تھا کہ فریقین میں سے سب سے بڑے پہلوان نکلتے اور اُس کی کشتی ہوتی۔ جو ہارتا۔ اس کی شکست اس فریق کی شکست ہوتی جس کے ساتھ اس کا تعلق ہوتا۔ اب نہ اس قسم کی جنگیں ہیں نہ اس کی ضرورت۔ مگر مسلمان ہیں۔ کہ برابر کشتیاں لڑتے جاتے ہیں۔ اور ہزاروں روپیہ آئے دن ان کشتیوں پر مسلمانوں کا تباہ ہوتا ہے۔ اسی طرح پہ بارود جو ہزاروں کام لئے جاتے تھے۔ اب وہ اصل غرض جاتی رہی اور اس کی جگہ شب برات رہ گئی۔ جس کا نتیجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں۔ کہ آپ جلیں اور دوسروں کو جلائیں۔ اور پھر بھی

نہیں دیکھتے۔ کہ ہمیں اس قسم کے مشقوں کی ضرورت بھی نہیں جو بارود کے ذریعہ کی جاتی تھیں۔
اسی طرح ہوا کے عجائبات کے تجارب کے لئے پتنگ وغیرہ چڑھاتے تھے۔ اور ان سے عمدہ عمدہ کام لئے جاتے تھے
گرود غرض تو جاتی رہی۔ مسلمانوں کو ایک شغل مل گیا۔ اور آئے دن کوٹھوں سے گر گر مرتے ہیں اسی طرح
پر مسئلہ تقدیر کا حال ہے۔ ہر کام کے مراتب ہیں چیونٹی کاٹے اس کا نقصان ایک اندازہ رکھتا ہے۔ سانپ کاٹے
اس کا مرتبہ جدا ہے۔ نیکیاں ہیں۔ ان کے مراتب الگ ہیں۔ فرائض ۔ ۱۔ ۲۰ کے مراتب الگ ہیں نوافل
الگ ہیں۔ روزہ ایک مہینہ کے سال بھر اور حج ایک مرتبہ ان کے مراتب جدا ہیں۔ وتروں کے متعلق اختلاف ہے
ان سے نیچے بھی نوافل ہیں۔ رمضان کے روزوں کے سوا اور بھی نفلی روزے ہیں۔ جو مل ملا کر چار مہینے کے قریب بن جاتے
ہیں۔ پس ہر کام کا ایک پھل اور نتیجہ ہے۔ اور یہی تقدیر ہے۔ اگر سست ہوگے۔ تو تم کو وہی نتائج ملیں گے جو سستوں
کے ہیں اور اگر چستی اور ہوشیاری سے کام لوگے۔ تو تم کو وہی نتائج ملیں گے۔ جو چستوں کے لئے مقرر ہیں۔
میری ماں نے اللہ تعالیٰ اس پر بہت بہت فضل کرے۔ مجھے بہت سے مسائل پنجابی زبان میں سکھا دیئے تھے
میں اُن کو اصول کی طرح یاد رکھتا ہوں۔ اُن میں سے مسئلہ تقدیر کے معنی بھی ہیں۔ اور وہ مجھے اب تک یاد ہیں

اے ہر شے دا اندازہ چلے بدے چاہے نیک اللہ تعالیٰ اتھیں مقرر ہے

جیسا کوئی کریگا ویسا ہی بھریگا جو اگ کھائیگا انگارے ہگیگا

نیکی کروگے نیک نتیجہ ہوگا۔ بدی کروگے بد نتیجہ ہوگا۔ پھر (۵۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ماں باپ اور تمام
عزیزوں سے بڑھ کر محبت کرنا (۵۲) دوسروں کا ایسا خیر خواہ ہو۔ جیسا کہ اپنا ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو کچھ
روپیہ بھیجتے ہیں اور لکھ دیتے ہیں کہ جہاں چاہو خرچ کرو۔ اس کے لئے پھر مجھے بہت ہی سوچنا پڑتا ہے۔ غرض مومن
وہ ہے۔ جو اپنے لئے پسند کرے۔ وہی اپنے بھائی کے لئے چاہے (۵۳) نمازوں کو قائم کرے (۵۴) روزے رکھے
(۵۵) زکوۃ دے (۵۶) استطاعت ہو۔ تو حج کرے (۵۷) پھر مومن وہ ہوتا ہے کہ اُس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ
امن میں ہوں (۵۸) مومن زانی۔ شرابی چور نہیں ہوتا (۵۹) راستے کے دکھوں کو دور کرنا۔ یہ مومن کا کام ہے
اس سے راستوں کی درستی اور صفائی بھی مراد ہے۔ اور یہ بھی کہ کسی مومن مسلمان کے مقصد میں کوئی روک واقع
ہو۔ تو اسے ہٹا دینا (۶۰) حیا کرنا مومن کا کام ہے (۶۱) حب اللہ یعنی اللہ ہی کے لئے کسی سے محبت کرے

لئے بڑی بڑی دعائیں کرتا ہوں اور دل سے چاہتا ہوں کہ ہماری اولاد کی مائیں ایسی ہی ہوں

میں اس امر کو بھی تحدیث بالنعمۃ کے طور پر ہی ذکر کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میری ماں کو

ایک جلال والی قوم میں سے بنایا تھا وہ اعوان قوم سے تھیں۔ یہ بھی اس کے فضل کی بات ہے۔

لیکن جو بات مجھے خوش رکھتی ہے وہ یہ کہ میں نے

گویا اس کے پیٹ میں قرآن کا سبق سُنا

یہ پہلا بیج تھا۔ لا الہ الا اللہ کا جس نے باپ کی طرف سے آکر ماں کے پیٹ میں نشوونما پایا۔

تربیت کا دوسرا مرحلہ اس کے بعد جب میں پیدا ہوا تو ماں کے دودھ کے ساتھ قرآن مجید کی پاک تعلیمات کے اثر کو پیا اور اس کی پیاری گود میں قرآن مجید کو سُنا۔ دودھ پینے کا زمانہ ختم ہوا جہاں تک مجھ ہوش ہے اور دودھ چھڑانے کا مجھے ہوش ہے مجھے خوب یاد ہے اس کے بعد میری تربیت کا ایک اور سلسلہ شروع ہوا میری ایک ہمجولی تھیں وہ بگہ والے مشہور خاندان میں سے تھیں میں ان کی تربیت کے نیچے آیا اون کی گود میں جاؤں تو مجھے خوش کرتی اور سنائی دیتی تھی وہ

انت الھادی انت الحق لیس الھادی الا ھو

کی آواز تھی۔ گویا باہر آکر لا الہ الا اللہ کا نشوونما اس طرح پر ہُوا۔

تربیت کا تیسرا مرحلہ پھر جب میں پڑھنے لگا اور میرے بھائی سلطان احمد صاحب مرحوم نے میری تعلیم عربی کی طرف توجہ کی تو جناب الٰہی کے انعامات میں سے ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ اور وہ اس طرح پر ہے کہ اس وقت یاغستان کے مجاہدین کے لئے بنگال سے بہت سا روپیہ جاتا تھا اور وہ لوگ مخفی حیلوں سے انہیں روپیہ پہونچاتے تھے۔ کلکتہ کے ایک تاجر کتب جو

(۶۲) بغض للہ کسی سے بغض ہو تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ اپنے نفس کی خاطر نہ ہو (۶۳) زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے (۶۴) دے تو اللہ کے لئے نہ دے تو اللہ کے لئے (۶۵) انصار سے محبت کرنا (۶۶) کشادہ پیشانی سے پیش آنا۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قوم آئی اور انہوں نے عرض کیا کہ ہمیں ایمان کے مسئلے بتادو۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ایمان چھ چیز کا نام ہے۔

اللہ پر۔ ملائکہ پر۔ کتابوں پر۔ رسل پر۔ جزا و سزا پر ایمان لاؤ۔ ان کو عام مسلمان سمجھتے ہیں۔ مگر ملائکہ پر ایمان لانے کی کیا حقیقت ہے اور میں نے اس سے کیا فائدہ اٹھایا۔ یہ تمہیں بتاتا ہوں :۔

انسان کے اندر ہر وقت دو محرک کام کرتے ہیں۔ ایک کا نام ملک ہے اور دوسرے کا نام شیطان ہے۔ ملک۔ نیکی کی تحریک کرتا ہے۔ اور شیطان بدی کی۔ جب ملک نیکی کی تحریک کرتا ہے۔ تو جو شخص اس تحریک پر عمل کرتا ہے۔ وہ گویا ملائکہ پر ایمان لاتا ہے۔ اگر اس تحریک پر توقف کرتا ہے۔ تو سنت اللہ یہ ہے یحول بین المرء وقلبہ۔ لیکن جب وہ اس تحریک پر عمل کرتا ہے۔ تو اس فرشتہ کو اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے ملائکہ جو اس ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ بھی اس انسان سے تعلق پیدا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہر قسم قسم کے ملائکہ اس سے مصافحہ کر لیتے ہیں۔ اور ہر حال میں اس کے مؤید رہتے ہیں۔ پس نیکی کی تحریک پر عمل درآمد کرنا ایمان بالملائکہ ہے۔

پھر ایمان بالکتب اور ایمان بالرسل کی حقیقت تو بہت سنی ہے۔ مگر میں تمہیں ایک کہانی سناتا ہوں۔ جو ایمان بالرسل کے متعلق ہے۔ ایک مرتبہ ایک معزز دوست نے مجھے تحریک کی کہ فلاں شخص تم سے ملنا چاہتا ہے۔ مگر وہ کسی سبب سے قادیان میں نہیں آسکتا۔ اس لئے تو اس کو وہاں ملیں اگرچہ جانتا تھا کہ وہ ملنے کا تو نہیں۔ مگر میں نے یہ سمجھ لیا کہ حجت ہی پوری ہو جائے گی۔ اس لئے میں گیا۔ اس نے میری تو بہت خاطر مدارات کی۔ مگر مجھے معلوم ہو گیا۔ کہ یہ علما کی تحقیر کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ ملانوں کی باتوں کو تو جانے دیں۔ یہ بتلائیے کہ رسولوں کے ماننے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے اس کو کہا۔ کہ تم کس مذہب کے ہو

اور تمہارے نزدیک ایمان کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا۔ کہ ہاں اے میں اللہ اور آخرۃ پر ایمان لاتا ہوں اور اسی کو ضروری سمجھتا ہوں۔ مَیں نے کہا کہ یہ مطلب تم نے کہاں سے سُنا۔ اس نے کہا۔ قرآن مجید میں لکھا ہے۔ یومنون باللّٰہ والیوم الاٰخر۔ میں نے کہا۔ کہ اور دلیل تو نہ دوگے۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ اس پر میں نے کہا۔ کہ جس کتاب کا تم حوالہ دیتے ہو۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے۔ افتؤمنون ببعض الکتٰب وتکفرون ببعض۔ بتاؤ کہ تم سارے قرآن کو مانتے ہو۔ یا اُس کے بعض کو۔ اُس نے جواب دیا۔ نہیں مَیں تو سارے ہی کو مانتا ہوں۔ اس پر میں نے کہا کہ پھر اس میں لکھا ہے۔ ان الذین یکفرون باللّٰہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللّٰہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا اولٰئک ھم الکافرون حقًّا واعتدنا للکٰفرین عذابًا مھینًا۔

اس آیت سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ جو اللہ کو مانتے ہیں اور رسولوں کو نہیں مانتے وہی پکے کافر ہیں۔ پس یہ آیت تو تیرے پکے کافر ہونے کی دلیل ہے۔ اس کو سُن کر کہا کہ مَیں اب رسولوں پر ایمان لاتا ہوں اور اُس نے سمجھ لیا کہ رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔

پھر مَیں نے کہا کہ اسی پر بس نہیں۔ قرآن مجید میں ایک اور آیت بھی ہے۔ والذین یومنون بالاٰخرۃ یومنون بہٖ وعلٰی صلوٰتھم یحافظون یعنے جو آخرۃ پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ قرآن پر بھی ایمان لاتے ہیں اور نماز بھی پڑھتے ہیں۔

غرض پانچ عقائد ہیں جو مذکور ہوئے لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ (۲) نماز جو ابھی پڑھی ہے (۳) روزہ (۴) زکوٰۃ۔ (۵) حج جو مکہ کا ہوتا ہے۔ زکوٰۃ ۵۲ تولہ چاندی میں ۱۱/۴ تولہ ہے۔ ۷ تولہ سونا میں ۱/۴ ۲ ماشہ۔ تب اس نے کہا کہ یا رسول اللہ پانچ اور ہیں۔ جو ہم ادا کرتے ہیں (۱) الصبر علی البلاء (۲) والشکر علی الرخاء (۳) والرضاء بالقضاء (۴) والصدق عند اللقاء (۵) و ترک الشماتۃ بالاعداء۔ اس پر پانچ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائیں الذین یتقون ہر کام میں دیکھ لو کہ اللہ

راضی ہے یا نہیں (۲) وفی الآخرۃ یرغبون (۳) وفی الدنیا لا یتنافسون (۴) ویدعون (۵) ولا یمنعون۔ غرض یہ چیزیں ہیں۔ جو ستّر کے قریب ہیں۔ اور یہ ایمان کے شعبے ہیں۔ لیکچر کا ابتدائی حصّہ لا الٰہ الا اللہ تھا۔ پھر دعا۔ ہمت۔ رضاء الٰہی۔ قرآن کریم پر تدبّر بتایا۔ اب مومنین کے لفظ سے ایمان کے شعبے بتائے اس تجارت کا جو اللہ تعالیٰ مومنین سے کرتا ہے۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے؟

جنت کیا ہے؟

جنّت۔ اس لئے اب میں بتاتا ہوں۔ کہ جنت کیا ہوتا ہے؟ اور اس کی جزء کیا ہے؟ خدا تعالیٰ نے انسان کو مختلف قویٰ دیئے ہیں۔ آنکھ۔ ناک۔ زبان۔ مزا ہے۔ حرکت۔ کسی چیز کا لینا اور دفع کرنا۔ بلند پروازی۔ رضاء الٰہی شہوت۔ کہ کھانے پینے کا شوق بھی ہے سُننے اور سونگھنے کا بھی ہے۔ غرض مختلف قویٰ اور ان کے تقاضے ہیں۔ اگر شخص اللہ تعالیٰ کے لئے ان تقاضوں میں رضاء الٰہی کو مقدم کر کے ان کو ترک کرتا ہے۔ تو اس کے بدلے اور نتیجے میں ایک جنّت عطا ہوتی ہے۔ جزاء وفاقا۔ مثلاً اگر محض خدا تعالیٰ کی رضا و تعمیل ارشاد کی خاطر کسی عورت پر بدنظری کرنے سے باز رہیں گے۔ تو اس کے نتیجہ میں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا ہوتی ہے اور ایک نور ملتا ہے۔ ایک احمق نے جنت کے نعماء پر اعتراض کرتے ہوئے کہا۔ کہ جنت کیا ہے وہ تو ایک **چکلا** ہے۔ میں نے کہا۔ کہ پھر تمہارے آباء اب بھی چکلے میں رہتے ہوں گے۔ کیونکہ اگر وہ محض اس وجہ سے چکلا ہے۔ کہ وہاں عورتوں سے جماع ہوگا۔ تو پھر اس دُنیا میں کیا حاضر ناظر خدا کی موجودگی میں جماع نہیں ہوتا۔ اس قسم کی باتیں ناعاقبت اندیش احمقوں کے دماغ سے نکلتی ہیں۔ ورنہ ایک خدا ترس اور غور کرنے والا دل ڈر جاتا ہے۔ غرض جب انسان اللہ تعالیٰ کے لئے ایک چیز کی قربانی کرتا ہے۔ تو اس کا نعم البدل اسے جنت ہی ملتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ مومنوں کے کچھ صفات بیان فرماتا ہے۔ فرمایا حامدون۔ یعنے وہ مومن ایسے ہوتے ہیں۔ کہ قولاً وفعلاً حمد الٰہی کرتے ہیں۔ ان سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوتا۔ جو حمد الٰہی میں خلل انداز ہو۔

پھر فرمایا التائبون العابدون۔ یعنے مومن کی صفت یہ بھی ہوتی ہے۔ کہ وہ توبہ کریں

توبہ کہتے ہیں **ترک** کو۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسری نیکیوں کے ترک کو توبہ نہیں کہتے۔ بلکہ توبہ کہتے ہیں ترک **قبیح** کو۔ اور یہ فعل ترک علم سے پیدا ہوتا ہے۔ یعنے اس فعل کی قباحت کا علم ہونا چاہئے۔ اس کو ذنب کا علم بھی کہتے ہیں۔ ذنب کی عجیب عجیب شاخیں ہیں۔ ایک عورت یہاں آئی اس نے کہا کہ تو ہمیشہ وعظوں میں کہتا رہتا ہے۔ کہ مصیبت گناہ سے آتی ہے۔ مگر میں نے خدا کا کوئی گناہ نہیں کیا۔ مجھے پھر کیوں مصیبت آتی ہے۔ وہ میری عزیز رشتہ دار تھی۔ میں نے کہا کہ تمہارے میاں کہاں رہتے ہیں۔ اس نے کہا کہ وہ تو باہر دور سفر میں ہیں۔ پھر پوچھا کہ انہوں نے کوئی خط تو نہیں بھیجا۔ بولی ہاں! اس پر میں نے کہا۔ کہ تم خود تو پڑھ نہیں سکتی ہو کیا کیا کرتی ہو۔ جواب دیا۔ کہ بُرقعہ لیکر کسی پڑھے ہوئے کے پاس جا کر پڑھا لاتی ہوں۔ اور جو کچھ وہ اس میں وہ حکم کرتے ہیں اس کی تعمیل کر دیتی ہوں۔ میں نے اس کو کہا۔ کہ خط کے پڑھانے کی کیا ضرورت ہوتی ہے۔ جب آیا لیکر رکھدیا اس نے کہا کہ یہ تو بری بات ہے۔ ایسا گناہ میں تو کر نہیں سکتی۔ خاوند مجازی خدا ہوتا ہے۔ اس کے حکم کو نہ مان کر گناہ کروں۔ اس پر میں نے اس کو متنبہ کیا۔ کہ حقیقی خدا کی بھی ایک چٹھی آئی ہے۔ اس کا نام قرآن مجید ہے اور چٹھی رسان جبرائیل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کہا قربان جاؤں۔ وہ تو نبی رسول ہیں۔ ان کا تو کلمہ پڑھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ پھر اس چٹھی کی کیا قدر کی؟ اس کا تو ایک کلمہ بھی نہ پڑھا اور نہ کسی سے سُنا۔ اس سے بڑھ کر گناہ کیا ہوگا۔ تم تو سارے گناہ کی جامع ہو گئی۔ اس پر وہ بہت ہی نادم ہوئی۔ یہ کہانی میں نے ہنسی کے لئے نہیں سُنائی۔ بلکہ اس لئے سنائی ہے۔ کہ **علم ذنب** کے لئے ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ قرآن مجید کو پڑھو یا سُنو۔ اور دل لگا کر پڑھو اور سنو۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ذنب کا پتہ لگ سکتا ہی نہیں جب تک قرآن کا علم نہ ہو جب تک علم نہیں ہوتا۔ انسان گناہوں پر دلیر ہوتا ہے لیکن جب اسے علم ہو جاتا ہے۔ تب اُسے گناہوں سے حجاب پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس سے تحریک ہوتی ہے۔ کہ وہ گناہ چھوٹ جاویں۔ اُس سے پھر ندامت پیدا ہوتی ہے۔ اور ماضی کے لئے افسوس کرتا ہے۔ اور حال میں ترک اور آئندہ کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ یہ توبہ ہے۔ پس **توبوا الی اللہ جمیعا ایھا المومنون**۔ اس میں سب شامل ہیں اولیاء اور انبیاء بھی۔ ان کی توبہ اور ان کے ذنوب کی حقیقت ہی اور ہوتی ہے۔ میں تم کو

ایک بڑے نکتہ کی بات سناتا ہوں۔ انسان کو ایک بڑی لڑائی کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ جو ترک معاصی کی لڑائی ہے پہلے پہل جب انسان پیدا ہوتا ہے۔ تو وہ خدا شناسی کو کیا جانتا ہے۔ اخرجکم من بطون امھاتکم لا تعلمون شیئًا۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ تمہیں دودھ پینا نہیں آتا تھا۔ بلکہ یہ کہ تم نیکی بدی کی حقیقت سے محض ناآشنا اور ناواقف تھے۔ صرف دودھ پینے کا خیال تھا۔ جو ایک قسم کی خود غرضی تھی۔ جس میں دوسرا شریک نہیں۔ ننگ دھڑنگ موجود تھے۔ پہلے پہل کھانے پینے کا علم ہوا۔ اور اس سے معرفت بلند نہ تھی یہ بہیمیت تھی۔ اس سے ذرا ترقی ہوئی۔ تو غضب پیدا ہوا۔ ماں نے دودھ دینے میں ذرا دیر کی۔ لگے چلانے اور چیخنے۔ اس کے بعد شہوت آتی ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اخلاق پہونچا ہے۔ تو اخلاق فاضلہ کی راہ پیدا ہووے تو ہووے۔ بحالیکہ دشمن پہلے سے موجود ہے۔ کیسا مقابلہ ہے؟

جلق سے نفرت

عمر کے اس حصہ میں بڑے بڑے مشکلات پیش آتے ہیں۔ میں تو خدا تعالیٰ کے بڑے ہی فضل اپنے ساتھ پاتا ہوں۔ میرے سامنے ایک مرتبہ ایک طالب علم نے جلق لگایا تو مجھے متلی ہوگئی۔ اس کے بعد اس کے ساتھ میں نے روٹی کھانا بھی چھوڑ دیا۔ اور اس طرح پر اللہ تعالیٰ نے اس بلا سے جو عام ہے مجھے نفرت دلائی۔ ایسی حالت میں انسان ملکیت کے مقام کو سمجھتا ہے کیا ہے؟

میں بہت کم شعر پڑھتا ہوں۔ یاد قریبًا نہیں پڑتا۔ مگر یہاں ایک شعر یاد آگیا ؎

فلا تحسبن ھندًا لھا الغدر وحدھا ـ سجیۃ نفس کل غانیۃ ھند

ہر ایک انسان غور کرے کہ کیسے مشکلات میں پھنسا ہوا ہے۔ اس کا نفس اس کا مطلوب اور محبوب ہے۔ پھر دوسرے معشوقوں کی بے وفائی کا کیا ذکر؟ فارسی اردو کے تو دیوان معشوقوں کی بے وفائی میں بھر پڑے ہیں۔ مگر کاش! پڑھنے والے اپنے نفس کی غداری پر بھی غور کرتے۔ تا انہیں معلوم ہوتا۔ کہ وہ کس راہ پر چل رہے ہیں۔

غرض مومن حمد الٰہی کرتے ہیں توبہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ پھر لکھا ہے۔ عابدون۔

عبادت کیا ہے؟

عبادت کہتے ہیں تعظیم لامر اللہ کو جس میں ریا اور سمعۃ نہ ہو۔ دردِ دل کا اظہار ہو۔ نماز کیسی عبادت ہے؟ ہر عبادت کے دوران میں دوسری عبادت بھی

ہو سکتی ہے۔ روزہ میں نماز بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اور زکوٰۃ بھی دے سکتے ہیں۔ مگر نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ اس کی حالت میں دوسری عبادت نہیں ہو سکتی۔ نماز مومن کا معراج ہے۔ یہ عبادت کی راہ ہے حامد ہو۔ خدا کے فضل پر راضی ہو جاوے۔ اس کے متعلق ایک مرتبہ میں نے سنایا تھا۔ کہ طبیعت میں الحمد پڑھتے ہوئے روک پیدا ہوئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ ہم بہتر بدلہ دیتے ہیں تب میں نے زور سے الحمد پڑھا۔

پھر مومنین کے صفات میں فرمایا السائحون۔ اس کے دو معنے ہیں۔ ایک یہ کہ گھروں میں بیٹھ کر عبادت کرنا۔ دوم ملکوں میں پھر کر تبلیغ کرنا۔ اور بدوں کے بُرے انجام اور نیکوں کی کامیابی سے عبرت حاصل کرنا۔

بھلائیوں کی فہرست

پھر تم رکوع سجود کرنے والے بن جاؤ۔ اور نہ صرف خود نیکیاں کرو۔ بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے ہو۔ امر بالمعروف میں کیا کچھ واقعہ ہے۔ یہ لنبا مضمون ہے۔ مگر میں بھلائیوں کی ایک مختصر سی فہرست بتاتا ہوں۔ مجھے حیاتی کی کیا خبر ہے یہ مجمع میری زندگی میں ہو یا نہ ہو۔ مجھے کچھ کہنے کا موقع ملے یا نہ ملے اس لئے سناتا ہوں

اوّل۔ اللہ پر ایمان ہو۔ دوم۔ بدیوں اور رسوائیوں سے بچنا۔ میں ایک پیشہ طبابت کا رکھتا ہوں جس کے ذریعہ مجھے معلوم ہوا کہ صرف ایک بدی نے دنیا کو کس قدر نقصان پہنچایا ہے۔ کالجوں اور سکولوں وغیرہ سے ۵۰ فی صدی ایسے خطوط آتے ہیں۔ جو شہوت کے بُرے خمیازہ کو ظاہر کرتے ہیں۔ پس عفت اختیار کرو۔ عفت سے صحت جسم ہوتی ہے۔ اور انسان فضولیوں سے بچ جاتا ہے۔ اور پھر سخاوت اور حلم پیدا ہوتا ہے۔ (۳) پھر ایک معروف وقار ہے۔ انسان اپنے آپ کو بیہودہ باتوں سے بچائے اور فحش نہ بولے۔ خصوصاً مجلسوں میں بیہودہ حرکات نہ کرے۔ لوگوں کی عیب چینی میں نہ لگا رہے۔ جلدی جواب نہ دے۔ ٹھٹھا نہ کرے۔ رذیلوں سے صحبت نہ کرے۔ مادر پدر آزاد نہ ہو جاوے۔ بہت سے نوجوان چھوٹی عمر کے لڑکوں اور عورتوں نمبر ۹ اور ۱۰ کے بدمعاشوں کی صحبت سے بچیں (۴) پھر ایک حیا ہوتا ہے۔ حیا کلام میں بھی ہوتا ہے۔ آنکھ میں بھی۔ جاہل کندہ ناتراش کا نام حیادار نہیں (۵) تواضع

ہر ایک کی۔ اہل علم و فضل کی خصوصاً (۶) وفا تعظیم لامر اللہ شفقت علی خلق اللہ۔ (۷) حرص چھوڑ دے اور سستی نہ کرے (۸) قسم قسم کی مصیبتوں پر صبر اور بدیوں سے بچتا رہے۔ یہ اصول ہیں معروف کے ایسا ہی شہوت پر غضب پر۔ بزدلی پر غلبہ اختیار کرے۔

مُنکر کیا ہے؟

منکر میں ہر قسم کا کفر۔ فسق و فجور داخل ہے۔ اس فسق و فجور سے کئی خاندان تباہ ہو گئے۔ اور قطع نسل عزت و آبرو کا جاتے رہنا۔ مال۔ حیا اور جان کا جاتے رہنا بھی اس کے نتائج ہیں۔ تکبر سے بھی بچنا چاہیئے تکبر انسان کو حقائق کے قبول کرنے سے محروم کر دیتا ہے۔ اور لکھنے پڑھنے سے بھی رہ جاتا ہے۔ غرض فیما لا یعنی یعنے بیہودہ باتوں سے بھی اپنے آپ کو بچانا چاہیئے۔ ان دکھوں میں بڑا دکھ شہوت اور غضب کا دکھ ہے۔ ان کے کم کرنے کے لئے ہمارے ایک کتاب پڑھ کر مجھے پوچھا ہے۔ کہ لوگ بتاتے ہیں کہ شہوت اچھی نہیں۔ مگر یہ نہیں بتاتے۔ کہ یہ عادت کیونکر نکل جاتی ہے۔ اس نے تحریک کی ہے

شہوت کا علاج

اس لئے میں تم سب کو بتاتا ہوں۔ وہ بھی یہاں بیٹھا ہے۔ شہوت فی نفسہٖ بُری چیز نہیں ہے۔ مگر جب وہ حدود اللہ کے خلاف ہو تو خطرناک ہے۔ بہر حال اس کے غلبہ کا علاج ہے۔ اور مفصلہ ذیل تدبیریں مفید ثابت ہوئی ہیں:۔

اوّل۔ میں اپنے فن سے شروع کرتا ہوں مجھے معلوم ہوا ہے کہ آتشک اور سوزاک کے کیا نتیجے ہیں۔ ان میں پھنسے ہوئے کیسے دُکھی ہیں۔ پاگل ہو جاتے ہیں۔ اندھے۔ کوڑھی اور نامردی کی تو بڑی بلا ہے۔ یہ بدذاتیاں ہیں۔ ان کے مطالعہ سے فائدہ ہوتا ہے۔

دوم۔ ان کے مرتکب کی اولاد گل جاتی اور عورتیں تباہ ہو جاتی ہیں۔

سوم شریف اور رئیسوں کے پاس آمد و رفت رکھے۔ وہ لچوں کو کبھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

چہارم۔ دیکھئے۔ کہ عام بدکاروں اور خلیع الرسن لوگوں کو عام طور پر لوگ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور پولیس ان کی نگرانی کرتی ہے۔

پنجم۔ اچھے لوگوں کی صحبت کو اختیار کرے۔ اور اچھے لوگوں کی تصانیف کو پڑھے۔

لطیف نکتہ

میرے ایک دوست شاہ جی عبد الرزاق تھے۔ مَیں عموماً اُن کے پاس جایا کرتا تھا مگر ایک دفعہ کئی دن اُن کے پاس نہیں گیا۔ پھر جو مَیں ان کے پاس گیا۔ تو انہوں نے کہا کہ نور الدین اتنے دن کیوں نہیں آئے۔ مَیں نے عرض کیا کہ سستی ہوئی۔ اس پر فرمایا کہ کبھی قصاب کی دوکان پر گئے ہو۔ وہاں۔ وہاں کچھ دیکھا ہے۔ پہلے مجھے ان کی بات سمجھ میں نہ آئی۔ آخر انہوں نے سمجھایا کہ قصائی جب گوشت کاٹتا ہے۔ تو تھوڑی دیر کے بعد دونوں چھریوں کو باہم رگڑتا ہے۔ اس سے اس کی غرض بظاہر کچھ معلوم نہیں ہوتی۔ مگر ایسا کرنے سے وہ چھریاں درست رہتی ہیں۔ اسی طرح پر انسان کا حال ہے۔ وہ ایک دوسرے انسان کی صحبت سے اس زنگ کو دور کر لیتا ہے۔ جو اُس کے قلب پر آجاتا ہے۔ اس لئے مَیں تمہیں کہتا ہوں۔ کہ یہ کیسا عمدہ نکتہ معرفت ہے۔ جو انہوں نے بتایا۔ بعض وقت انسان کے اندر دکھ ہوتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی صحبت سے وہ دور ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھو کہ رؤسا خواہ کتنے ہی بُرے ارتکاب کریں۔ مگر یہ معاش حرامزادوں کو کبھی عزت کی نگاہ سے کبھی نہیں دیکھتے۔ یہ بہت بڑا مضمون ہے۔ اس لئے اس پر زیادہ نہیں کہتا۔

ششم۔ واعظوں کے وعظ اور صلحاء کی کتابوں سے فائدہ ہوتا ہے۔

ہفتم۔ کھانے۔ پینے۔ پہننے میں بانکا پن اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ جو لڑکے بانکے لباس پہنتے ہیں اُنہیں چار خطرناک عادتیں اختیار کرنی پڑتی ہیں:۔

حکائیت بر سبیل تذکرہ

ہمارے بھیرہ میں ایک کنچنی جوالی نام رہتی تھی۔ مَیں نے اس سے پوچھا کہ تمہارا یہ پیشہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک اچھا آدمی محلہ میں سے گذر جاوے۔ تو ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ مگر تمہیں کوئی حس نہیں۔ اس نے کہا۔ قربان جاؤں جو لوگ خوش خوراک ہوں۔ خوش پوشاک ہوں۔ اور اس پر سست بھی۔ اگر وہ کنجر نہ بنے تو کیا کرے۔ میں نے کہا خوب است۔

یہ نکتہ بچپن میں ہم نے اس سے سُنا۔ یہ گویا ایک مصرعہ تھا۔ اب دوسرا مصرعہ مشنری کمپونڈوں کی صورت میں معلوم ہوا۔ کہ جو لوگ محنت کے عادی نہیں اور اچھا کھانا پہننا چاہتے ہیں۔ سُست اور خلی الرسن ہیں۔ وہ اتنا ہی غنیمت سمجھ لیتے ہیں۔ کہ مشن کمپونڈوں میں روٹی ہی مل جاتی ہے۔ غرض جو لوگ کھانے پینے اور پہننے میں توغل کرتے ہیں۔ آخر بڑی ہی مشکلات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور پھر خدا پر ناراض ہوتے ہیں۔ کہ اُس نے ہمیں کیوں پیدا کیا؟ کبھی ماں باپ کو گالیاں دیتے ہیں۔ اور پھر دوستوں پر ناراض ہوتے ہیں کہ کیوں قرضے نہیں دیتے؟ یہ خوب یاد رکھو کہ جو لوگ عمدہ کھانے پہننے اور عمدہ لباس کی فکر میں رہتے ہیں وہ بڑے کام نہیں کر سکتے۔ وہ ان باتوں کو اپنی عزت سمجھتے ہیں۔ مگر میں انہیں ذلیل سمجھتا ہوں۔ اس سے میری مراد یہ نہیں۔ کہ یہ چیزیں حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی کو دے۔ تو بیشک وہ عمدہ کھائے۔ عمدہ پہنے۔ مگر ان امور میں توغل نہ کرے۔ ان باتوں کو مقصود بالذات نہ بنالے۔

ہشتم۔ رذیل قوم سے بھی بچتا رہے۔ کیونکہ اگر انہیں دو چار جوتے بھی لگ جاویں۔ تو پرواہ نہیں ہوتی۔

نہم۔ ایک نے کہا ہے۔ کہ موت کو یاد رکھو۔

دہم۔ ایک نے لکھا ہے کہ شغل میں رہو۔ میں جب تک آنکھیں نیند سے گرا نہ دیں۔ مشغول رہتا ہوں۔

یازدہم۔ نشہ اور راگ سے بچے۔

دوازدہم۔ اپنی کمزوری اور خدا تعالیٰ کی گرفت سے ڈرے۔ ان چیزوں کے مطالعہ سے میں سمجھتا ہوں۔ شہوت کا علاج ہوتا ہے۔ مجھ پر وہ زمانہ گذرا ہے۔ اور میں اس میں صاحب تجربہ ہوں۔

غضب کے لئے بھی یہی علاج ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی ہے۔ اوّل۔ اللہ کی صفت مخرج

ما کنتم تکتمون پر ایمان ہو۔ اس صفت پر ایمان سب گناہوں سے بچنے کے لئے مفید ہے۔ جب یہ ایمان ہوگا۔ کہ چھپ کے چوری کرونگا۔ تو ظاہر ہو جائے گی۔ اسی طرح دوسرے گناہوں پر قیاس کرو۔ (۲) پھر یہ مطالعہ کرے کہ خدا تعالیٰ مجھے بھی پکڑ سکتا ہے۔ (۳) پھر یہ سمجھے کہ میں اگر اس بدکاری کا مرتکب ہوتا۔ تو لوگ کیا مطالعہ کرتے (۴) مسکرات کا ترک کرے (۵) سپاہیوں سے کم تعلق رکھے (۶) انجام کو سوچے (۷) طبیعات کو پڑھے (۸) اخلاق پڑھے۔ (۹) سیاست کی کتابوں کا مطالعہ کرے۔ (۱۰) صوفیوں کی تصنیفات بھی پڑھے۔ یہ مفید ہیں۔

اب ایک حرف رہ گیا۔ والحافظون لحدود اللّٰہ۔ یہ بھی اپنی ذات میں بڑا بھاری مضمون ہے عقائد میں جیسا کہ میں نے ابھی بتایا ہے غلو نہ کرے۔ وہ کیا ہے۔ جیسا کہ نصاریٰ نے کیا۔ دَعِ ما ادعتہ النصاریٰ فی نبیّھم۔ اسی بدعت کا نام غلو ہے۔ اسلئے قرآن مجید نے ہدایت کی ہے۔ لا تغلوا فی دینکم۔

میں نے اسی وجہ سے اپنے امام کی قبر کو پرشان نہیں بننے دیا۔ کہ تم غلو نہ کرو۔ تم جانتے ہو۔ کہ پہلے مسیح کے سبب سے فتنہ ہوا ہے۔ پس اس سے عبرت پکڑو۔ میں پھر تمہیں کہتا ہوں۔ کہ تم غلو نہ کرنا۔ غلو عقائد میں بھی بُرا ہے۔

مَیں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ علم بڑی دولت ہے۔ علم کا مزا ان پڑھ نہیں جانتے۔ مگر اَن پڑھوں کے سارے مزوں کو پڑھے ہوں نے دیکھا ہے۔ ہم نے تین شادیاں کیں۔ رؤسا کے پاس رہے ہیں حکومت کا مزا دیکھا ہے۔ دولت کو کمایا ہے۔ میرے ایک دوست تھے مولوی عبد الکریم مرحوم۔ انہوں نے خواب میں دیکھا۔ کہ نورالدین جوا کھیلتا ہے۔ اُنہوں نے حضرت صاحب کی خدمت میں یہ خواب بیان کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ نورالدین کی بابت معلوم نہیں کہ وہ لیگا یا دیگا یعنے اس کے رزق کا معاملہ انسانی فہم سے برطرف ہے۔ اسی طرح ایک ہندو نے مجھے کہا کہ تمہارے پاس بہت سا روپیہ ہے۔ مَیں نے کہا کہ ہاں ہے۔ تو سہی مگر کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ روپیہ بینک میں ہو۔ تو منی آرڈر کے ذریعہ آنا چاہئے۔ یہ ایسا علم ہے کہ کسی کو پتہ نہیں لگ سکتا۔ خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ خاص فضل کیا ہے۔ کہ وہ خود مجھے دیتا ہے

روپیہ لے جایا کرتے تھے ہمارے ہاں اُترے اونہوں نے ترجمہ قرآن کریم کی طرف یایوں کہنا چاہیئے کہ اس گراں بہا جواہرات کی کان کی طرف مجھے متوجہ کیا جس کے باعث میں اس بڑھاپے میں بھی نہایت شادمانہ زندگی بسر کرتا ہوں۔

کبھی اونہوں نے کوئی چیز پڑھتے دیکھا تو میرے بھائی کو ہدایت کی کہ اس کو قرآن مجید پڑھاؤ اور نہایت ایک خوشخط پنجسورہ جس کے ابتدا میں اذا وقعت الواقعہ کی سورۃ معہ ترجمہ تھی دیا اور اس طرح پر میں قرآن مجید کے ترجمہ کی طرف متوجہ کیا گیا یہ خدا تعالیٰ کا ایک خاص فضل ہوا والحمد للہ علی ذالک۔

میں نے یہ کہانی نہیں سنائی بلکہ میرا مقصود اس سے یہ ہے کہ میں تمہیں بتادوں کہ والدین کا کیا فرض ہے۔ مائیں کیسی ہونی چاہئیں۔ بھائی اور بھاوجیں کیسی ہوں؟ دوسرے رشتہ دار کیسے اور کن لوگوں کے ساتھ آمد و رفت کے تعلقات ہوں اگر یہ سب نیک اور خدا جو ہوں تو جو بچہ ان کی تربیت کے نیچے رہیگا۔ خدا تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے وہ ضائع نہیں ہوگا۔ والد کیطرف سے جو الٰہی فضل مجھ پر ہوا اسکا پھر کسی وقت ذکر کرونگا۔

تربیت کا چوتھا مرحلہ

پھر میرے دوست میرے اُستاد تھے جو اس لا الٰہ الا اللہ کے نشوونما کا موجب ہوئے ان ذریعوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ہمارے شہر میں دو واعظ آیا کرتے تھے ایک کوہاٹ کے علاقہ سے محمد جی نام کے تھے اور دوسرے پاس ہی کے علاقہ سے آیا کرتے تھے اُن کا نام غلام محی الدین تھا اُن کے وعظ سُننے کا مجھے بہت شوق تھا ہمارے اس زمانہ کے دوستوں میں سے ایک حکیم فضل الدین اس وقت دم نقد موجود ہیں مجھے اور ان کو وہ وقت خوب یاد ہے جب ہم انکے وعظوں کو نہایت شوق اور غور سے سنا کرتے تھے اور ان سے تمتع حاصل کرتے اور اس طرح پر لا الٰہ الا اللہ میرے دل پر خوب بیٹھ گیا اور پھر اس طرح پر ترقی کا سلسلہ شروع ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب کی محبت میرے دل میں ڈال دی۔

اور جتنا مَیں چاہتا ہوں یا مجھے مطلوب ہوتا ہے۔ دیتا ہے۔

علم عجیب چیز ہے۔ مگر اس میں ایک تو سخت تعمق کرتے ہیں۔ جس کو کہتے ہیں۔ کہ ہندی کی چندی نکالتے ہیں۔ تا کہ وہ محیط ہو جاویں۔ یہ سخت مضر ہے۔ کیونکہ محیط ہونا تو صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس زمانہ میں یہی کوشش کی جاتی ہے۔ اور اسی وجہ سے عربی دانوں کی بڑی تحقیر کی جاتی ہے۔ جو میں سخت ناپسند کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لمہ بتحاجون۔ عربی کی طرف تم کو خود بڑی توجہ کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ تمہارے دین کی کتاب جو خدا تعالیٰ کی کتاب ہے۔ وہ عربی میں ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس زبان کو اپنا کلام نازل کرنے کے لئے پسند کیا۔ پس ایسا نہ ہو۔ کہ اس زبان کے جاننے والوں کی تحقیر کا وبال تم پر آئے۔

غرض علم میں تعمق کی بھی حاجت ہے۔ تو اس کے لئے ضرورت ہے انتخابِ کتب کی۔ اور پھر ضرورت ہے انتخاب معلمین کی۔ اور پھر ضرورت ہے عمل کی۔ اس سے معرفت پیدا ہوتی ہے۔ وہ علم جس کے ساتھ عمل نہیں بیکار ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں۔ کہ آجکل کے علماء (الا ماشاء اللہ) مال کے دینے کی لوگوں کو تو سناتے ہیں۔ مگر خود خرچ نہیں کرتے۔ مگر خدا کا فضل ہے۔ کہ تم کو سنانے والا ایسا نہیں۔ اس نے اگر چندہ کا ذکر کیا ہے۔ تو مولوی سوا اپنے چندہ کا پہلے فیصلہ کر لیا ہے۔ عبادت میں بھی تو غلو نہ ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ رہبانیت اختیار نہ کرے۔ یا ہمیشہ روزے ہی رکھے۔ اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہمیشہ مدنظر رہنا چاہیئے۔ معاملات اور عادات میں تکلف کو چھوڑ دے۔ میں لکھنؤ میں بھی رہتا رہا ہوں۔ اور تکلف کی حقیقت سے خوب واقف ہوں۔ کہ زبان۔ خوراک۔ کلام۔ لباس میں کیسا تکلف ہے۔ دلی اور لکھنؤ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ مَیں دلی میں پڑھا نہیں ہوں۔ مَیں نے بہت کوشش کی۔ کہ نذیر حسین سے کچھ پڑھوں۔ اور کئی بار قصد کیا۔ مگر موقعہ ہی نہ ملا۔ اور اس کی حکمت مجھ پر اب کھلی۔ جب اس نے حضرت صاحب پر کفر کا فتویٰ دیا۔

اور دلی کے قدماء میں سے مَیں نے شاہ ولی اللہ صاحب۔ حضرت محمد اسماعیل صاحب۔ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب اور حضرت غلام علی صاحب رحمہم اللہ سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

پھر طہارت و نجاست میں لوگ وسواس کرتے ہیں۔ اخلاق میں عجز و کسل سے کام لیتے ہیں یہ مفید نہیں

پھر مَیں دیکھتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے علماء کو وارث نبی کریم کا فرمایا ہے۔ مگر ان کی جو عزت کی جاتی ہے وہ تم جانتے ہو۔ اس لئے کہ انہوں نے علم کا اصل منشا چھوڑ دیا۔ اور لا الہ الا اللہ کے مفہوم سے دوچار چند الفاظ کو یاد کرتے ہیں اور معانی کو چھوڑتے ہیں۔ میرا ایک نہایت پُرانا مخلص دوست ہے۔ اس نے ایک مرتبہ دعا کی۔ اس کے پاس سو روپیہ جمع ہو گیا۔ پھر دعا کی کہ سو روپیہ جمع نہ ہو۔ اس کا بیٹا ہے۔ اُس نے کبھی اس دعا کی قدر نہیں کی۔ اس کا سر کیا ہے؟ وہ مزا جو خدا کو راضی کرنے کا ہے۔ اس نے نہیں پایا۔

علماء کی تو یہ حالت ہے۔ صلحاء میں صرف دعوے ہیں۔ کافیوں کے عجیب عجیب الفاظ یاد کر رکھے ہیں مگر منشاء الٰہی سے دور ہیں۔ جو قد افلح من زکٰھا میں مذکور ہے۔ اس طرح پر ان کی حالت بھی بگڑی ہوئی ہے۔

لوگ لیکچروں میں عموماً تین باتوں کا خیال رکھتے ہیں۔ مشاقی سے الفاظ جمع کرتے ہیں۔ اور کبھی ہنسا دیتے ہیں۔ اور کبھی رولا دیتے ہیں۔ سو مَیں اگر اس کے ماتحت اپنا لیکچر رکھتا۔ تو مجھے بہت سے الفاظ یاد ہیں اگرچہ مَیں نے اُن کو لیکچر دینے کے لئے کبھی یاد نہیں کیا۔ تاہم مجھے یاد ہیں۔ اور مَیں اس طرز پر حضرت صاحب کی وفات کا واقعہ بیان کرتا۔ تو مَیں نے چونکہ مرثیہ کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ اور مَیں اُن طریقوں کو جانتا ہوں۔ اور خنساء کا دیوان میں نے پڑھا ہے۔ میں تمہیں رولا دیتا۔ مگر میں جانتا ہوں۔ اس سے کُچھ فائدہ نہیں۔ وہ بات جو خدا کو پسند ہے۔ وہ کُچھ اور ہے۔ خدا تعالیٰ کو ایک گریہ پسند ہے۔ مگر وہ الفاظ سے پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی راہیں اور ہیں۔

اور علاوہ بریں مَیں جانتا ہوں۔ کہ خدا تعالیٰ کے کام کسی کے بقا اور عدم بقا پر موقوف نہیں۔ وہ ایک شخص کو نبوت دیکر بھیجتا ہے۔ پھر جبکہ اس کے علم میں وہ کام ختم کر چکتا ہے۔ تو اُسے واپس بُلا لیا جاتا ہے۔ بعض انسان ان کے واپس بُلانے سے ابتلا میں پڑتے ہیں۔ اور وہ اپنی جگہ اس کو قبل از وقت سمجھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر حضرت عمرؓ جیسا انسان بھی کہتا ہے۔ کہ ابھی وفات نہیں ہوئی۔ کیونکہ ان کے نزدیک ابھی بہت سے کام باقی تھے۔ مگر خدا تعالیٰ اپنے کام کو خوب جانتا ہے۔

غرض میں نے اپنے اس لیکچر میں کسی ترتیب کو مدنظر نہیں رکھا۔ دوسرا مقصد خطبوں میں یہ ہوتا ہے کہ اپنے اغراض کو بیان کیا جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب بھان متی کا تماشا ہوتا ہے۔ تو آخر میں وہ کہتا ہے

کہ ایک اور بڑا کھیل باقی ہے۔ مگر میں اس کو دکھلاؤں گا جب کچھ پیسے جمع ہو جائیں۔ مگر میں خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر ظاہر کرتا ہوں کہ میں اپنی کوئی غرض تم سے نہیں رکھتا کہ تم سے روپیہ لیکر جیب میں ڈال لوں جس مولیٰ نے مجھے ایسی عجیب آنکھ۔ ناک۔ کان۔ منہ۔ زبان اور دوسرے اعضاء دیئے۔ پھر اس نے مجھے معزز قوم میں پیدا کیا ماں بھی معزز قوم سے تھی اور باپ بھی۔ یہ سب میرے مولیٰ نے اپنے فضل سے مجھے دیا۔ پھر علم دیا۔ اور اُس کتاب سے محبت دی جو اُس کی کتاب خدا کا کلام ہے۔ پھر اس کا فہم دیا اور اس کے متعلق سامان دیئے۔ ہزاروں لاکھوں کتابیں میری آنکھوں سے نکلیں۔ اور خدا ہی کے فضل سے دماغ میں موجود ہیں۔ پھر جس خدا کے اتنے بڑے فضل مجھ پر ہیں۔ وہ اس آخر عمر میں مجھ کو کسی کا محتاج کریگا؟ کبھی نہیں۔ اور کیا پھر میں خدا کے فضلوں کا ایسا تجربہ کار ہو کر اب لعنت کی موت مرنا چاہتا ہوں۔ کہ تم سے کچھ روپے حاصل کروں۔ نعوذ باللہ من ذالک

اس کے بعد اب میں دو غرضیں پیش کرتا ہوں۔ **اول** جو حقیقی غرض ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جاوے۔ ہر ایک چیز دو طرف حرکت کرتی ہے۔ ایک اوپر کو اور دوسری نیچے کو جو لوگ پتنگ اڑاتے ہیں پہلے تھوڑا سا زور لگاتے ہیں جب وہ اوپر چڑھتے ہیں تو پھر اس زور سے چلتے ہیں کہ بعض وقت ان کا ضبط کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنی طاقت سے اوپر چڑھتا چلا جاتا ہے۔ دوسری حرکت نیچے کی ہوتی ہے۔ جیسے ڈول کو جب کنوئیں میں لٹکاتے ہیں۔ تو چرخی اول آہستہ پھر ایسی تیز ہو جاتی ہے کہ ٹھہر نہیں سکتی۔ پس میں تمہیں ابھی ابتدائی حالت میں جو پتنگ چڑھانے کی ہوتی ہے۔ زور لگانے کو کہتا ہوں۔ جب یہ اوپر چڑھیگا۔ تو پھر تو اس کا ضبط بھی مشکل ہو جائیگا۔ جس طرح پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے کہا۔ کہ اس وقت جو مٹھی بھر جو دیگا۔ اس کا اجر اتنا بڑا ہے۔ کہ آگے ایک قوم آئے۔ جو اگر احد کے برابر بھی سونا دیگی۔ تو اتنا فائدہ نہیں ہوگا۔

میری جو غرضیں ہیں۔ وہ سراسر تمہاری بہتری کے لئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ تم لوگ تعلیم حاصل کرو۔ اور تعلیم سے میری غرض یہ ہے کہ حقائق سے آگاہی ہو۔ اور پھر اس سے متمتع ہو جاؤ۔

حقیقتیں دو ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ سے محبت کرو۔ دوم علم کا ذوق ہو۔ اس کائنات کو دیکھ کر کس طرح پر عظمت الٰہی کے لئے جوش اور شوق پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایک بڑا مضمون ہے۔ اور یہ میرے دل میں آیا ہے۔ میں اس کو اعلیٰ درجہ کا مضمون سمجھتا ہوں۔ اگر موقعہ اور توفیق ملی۔ تو بیان کرونگا میں اسکو اصل

سمجھتا ہوں یہ جو کچھ کہا ہے۔ اس کی فرع ہے اور اسی میں سے نکلا ہے۔

مخلوق الٰہی کی بہتری کے وسائل سوچو۔ اور ان پر عمل کرو۔ ہمت بلند رکھو۔ اور اسی راہ پر قدم مارو۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے۔ تحمل سے حلم سے۔ شجاعت سے ترقی کرو۔

مسئلہ تعلیم

پھر یاد رکھو۔ کہ تعلیم بڑی مشکلات کے نیچے ہے۔ ایک تعلیم ظاہری ہے جکومت حتی الوسع تعلیم میں دلچسپی لیتی ہے۔ مگر تعلیمی راہ میں کچھ ایسے مشکلات آ رہے ہیں۔ کہ حکومت ہاتھ کھینچ رہی ہے۔ فیس دن بدن بڑھ رہی ہے۔ اور تعلیمی ضروریات گراں ہو رہی ہیں۔ میرے زمانہ تعلیم میں ایک اعلیٰ سے اعلیٰ اُستاد پانچ روپیہ ماہوار پر آ جاتا تھا۔ مگر اب سو روپیہ میں بھی اعلیٰ ماسٹر کے ملنے میں دقت ہے۔ اسی طرح رسم اور تمدن کی مشکلات نے بھی اس راہ کو مشکل بنایا ہے۔ مثلاً شادی و غمی کے معاملات کو ہی دیکھو۔ کہ باوجودیکہ باپ کی جائداد تقسیم در تقسیم ہو چکی ہے۔ مگر اولاد ہے کہ اب بھی ہزار بیگھہ کی پیداوار سے ہونے والے اخراجات کو اب دو سو بیگھہ کی آمدنی پر بھی قائم رکھنا چاہتی ہے۔

غرض ظاہری تعلیم کی وہ حالت ہے۔ باطنی تعلیم کو بھی اسی پر قیاس کرو۔ تم لوگ کسقدر روپیہ خرچ کر کے یہاں آئے۔ اور یہاں کے اخراجات الگ ہیں۔ غرض کیا تھی۔ یہ ایک روحانی سبق کا حاصل کرنا۔ پھر جو چندے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔ کہ سالانہ دو۔ ماہوار دو۔ یکمشت دو۔ غرض جس رنگ میں دیکھو۔ گرانی بڑھ رہی ہے۔ شادیوں کے اخراجات بڑھ رہے ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں۔ کہ تم فکر کرو۔ اور بہت فکر کرو۔ ظاہری تعلیم بھی ہمت بلند اور استقلال چاہتی ہے۔ اور باطنی تعلیم بھی۔ میں تو اس وقت بھی اپنے ماں باپ کو دعا دیتا ہوں۔ وہ اس وقت بھی دو روپیہ یومیہ میری تعلیم کے لئے اُستاد کو دینا دوبھر نہ سمجھتا تھا۔ اور وہ ایسی ہمت بلند رکھتے تھے۔ کہ مدن چند نام ایک ہندو تھا۔ جو کوڑھی ہو گیا۔ وہ عالم آدمی تھا۔ اس کو باہر جنگل کی جھنگی میں رکھا گیا۔ میرے والد اس کے پاس گئے اور کہا کہ میں اپنی آمدنی کا نصف تمہیں دیدوں گا۔ میرے بچہ کو پڑھاؤ۔ لوگوں نے کہا۔ کہ کوڑھی ہو جاویگا۔ خوبصورت بچہ ہے۔ کیوں اس کی زندگی کو ہلاکت میں ڈالتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ اگر مدن چند جتنا علم پڑھ کر کوڑھی ہو جاوے۔ کچھ پرواہ نہیں۔ غرض وہ اولاد کی تعلیم اور تربیت کیلئے بڑے بلند حوصلہ تھے۔ میں کوئی جنازہ نہیں پڑھتا۔ جس میں اپنے والدین کیلئے بڑی بڑی دعائیں نہیں کرتا۔ میں جب خیرات

کرتا ہوں۔ تو اُن کیلئے بھی کرتا ہوں۔ اپنے بچوں کیلئے تم ایسے باپ بنو۔ وہ ایسے بلند ہمت تھے کہ اگر وہ کل اس زمانہ
میں ہوتے۔ اور انہیں خبر ہوتی کہ انگریزی عمدہ چیز ہے۔ تو وہ مجھے امریکہ بھیج دیتے۔ پھر جب میں نے پڑھنے کا
ارادہ کیا۔ تو کہا کہ اوّل ماں کو خبر نہ دو۔ اور دوسرے اتنی دور جاؤ۔ کہ اگر ہم مرجاویں۔ تو تمہیں خبر نہ ہو اور
خبر ہو۔ تو جلد آنہ سکو۔ میں بخاری پڑھتا تھا۔ جب اُن کی وفات کی خبر آئی۔ میں نے کہا۔ مولا کریم!
مَیں یہ بلغ وقف کرتا ہوں۔ غرض روحانی اور ظاہری تعلیم میں کوشش کرو۔ لوگ کہتے ہیں کہ بعض نے
لڑکے بھیجے۔ اور کوئی کمزوری دیکھ کر کہا تعلیم اچھی نہیں ہے۔ یہ غلطی ہے۔ عام حالت دیکھنی چاہئے۔ تعلیم
میری اس غرض کا ایک شعبہ ہے۔ اور اس کے پورا کرنے کیلئے بلند حوصلگی اور روپیہ کی ضرورت ہے۔ اگر روپیہ نہیں تو
دعا ہی کرو۔ جو لوگ متموّل ہیں۔ وہ فیاضی سے کام لیں۔ اور مستقل مزاج ہوں۔ اب میں مختصر کرتا ہوں۔
میں نے بڑی محنتوں سے قرآن مجید سنانا چاہا۔ مگر باوجود خرچ اموال مجھے اس قدر کثرت سے سننے والے
نہ ملے تاہم میں نے کبھی ہمت نہیں ہاری ہمیشہ ہی سُناتا رہا۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے یہ فضل کیا۔ اور ایک
کثیر جماعت سُننے والوں کی پیدا کر دی یہ اس کا فضل ہے جو اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کے
ذریعہ آتا ہے۔ پس تم میں سے ہر ایک اس کا مستحق ہے۔ کہ اللہ کی رحمت کو حاصل کرے۔ پس ایک غرض یہ
ہوئی کہ تعلیم دلاؤ۔ یا حاصل کرو۔ یا روپیہ دو۔ یا دعا کرو۔

دوسری بات یہ ہے۔ کہ بغچہ سرائے اور قازان میں عربی کے مدارس کھل گئے ہیں اور مصر نے علم کا سمندر
اُگل دیا ہے۔ ادھر **ندوۃ العلماء** اسی فکر میں ہے۔ کانپور میں الٰہیات کا مدرسہ کھل چکا ہے۔ تم اس کی فکر کرو
میں نے اپنے امام سے ایک بات پوچھی کہ کالجوں میں دہریت پھیل رہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں ہزار برس کے بعد
آنے والے چاند کو دیکھ رہا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ دہریہ بنتے ہیں۔ بے دین بنتے ہیں مگر یہ تختی صاف ہو گئی ہے
تم اچھا نقش بٹھانے والے ہوگے۔ تو بٹھاؤ گے۔ ہم جھوٹے نہیں۔ اور آخر لوگ وہی مانیں گے۔ جو ہم اس وقت
منوانا چاہتے ہیں۔ اس لئے ان باتوں کی پرواہ نہ کرو۔

اس وقت بعض ناعاقبت اندیش کہتے ہیں۔ کہ عربی سے کیا ہوتا ہے؟ انہیں عربی کی قدر
نہیں۔ اس لئے کہ کالجی تعلیم نے انہیں کسی اور طرف پھینک دیا ہے۔ مجھ سے پوچھو۔ کہ عربی سے کیا ہوتا ہے

جو کچھ بھی ہے۔ وہ مفید ہے۔ اگر تم اپنے بچے کی تعلیم کیلئے روپیہ خرچ کرتے ہو تو اُس کے مقابلہ میں تھوڑا سا تو غریب اور مسکین بچوں کیلئے بھی دو۔ ان اغراض کے بعد ایک امر بات ہے جانتے ہو میں نے امامت کا دعویٰ نہیں کیا مگر میرے خدا نے تمہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ تم میرے ہاتھ پر بک جاؤ۔ یہ اس کا فضل ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے سوال کیا کہ میں کون ہوں؟ وہ حیران ہوگئے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تم یہ جواب دو۔ کہ تو مکہ کا باشندہ ہے۔ تیری قوم نے تجھے شہر سے نکالا ہم نے تجھ کو اور تیرے ساتھ والوں کو جگہ دی ہم تیرے سینہ سپر ہوئے۔ اے انصار تم یہ جواب دے سکتے ہو۔ پھر افضل ہے تم یوں بھی کہہ سکتے ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہم پر ہوا کہ اللہ کا رسول ہمارے گھر میں آیا اور ہمارے گھر میں اللہ کی وحی آنے لگی۔

اسی طرح پر میں تم سے کہتا ہوں کہ میں کون ہوں؟ میں ایک انسان تم میں سے ایک ہوں کون ہوں؟ جس نے اپنا وطن چھوڑا تھا۔ تم میں سے بھی بعض نے چھوڑا مگر مجھے حضرت امام نے فرمایا کہ وطن کا خیال مت کرنا۔ میں نے نہیں کیا۔ گھر کے گر تک کی خبر نہیں لی ایک بات بڑھ کر کی ہے کہ بیٹے کے لئے ایک پیسہ ورثہ نہیں چھوڑا۔ اس لئے کہ اس کا باپ متقی ہے راز سے ملا اسے بھی ملیگا اور فرمایا یہ میرا یقین ہے۔ تم میں سے ایک ہوں تم کہہ سکتے ہو۔ کہ ہم نے تجھکو نمبردار کیا اور تیری بیعت کی ہے مگر سچ یہ ہے اور تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ میں لا الہ الا اللہ پر سچا ایمان لایا ہوں اور میں دنیا کی رضا کا طالب نہیں اللہ کی رضا کا طالب ہوں کیونکہ میری نیتیں ہر آن نئی ہیں۔ پس اگر اس کی رضا کا طالب نہ ہوں۔ تو پھر ایک دم ہی میں ہلاک ہو سکتا ہوں۔ اُس نے آپ میری تربیت کی اور یہ بھی میری تربیت کا ایک پہلو ہے۔ پس تم اگر چاہو۔ اور خدا تعالیٰ کا فضل تمہارے شامل حال ہو تو یوں بھی کہہ سکتے ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمہیں ایسا شخص دیا جو تمہارے لئے ایک درد مند دل رکھتا ہے۔ اور تڑپ تڑپ کر دعائیں کرتا ہے دیکھو! یہ غلط ہے کہ تم نے میری بیعت کی ہے میرے مولیٰ نے تمہیں ادھر جھکایا۔ تمہیں **میری فرمان برداری ضروری ہے**۔ میں تمہارا سکھ چاہتا ہوں۔ جن دعاؤں کو میں نے کبھی نہیں کیا تمہارے لئے کرتا ہوں پھر آخر میں کہتا ہوں کہ **صمد** نام سے اجتماع کرو ہم اکٹھے ہوئے ہیں کہ ایک دوسرے کی بھلائی کیلئے دعا کریں دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کیلئے

اس کے بعد آپ رضی نے مولوی حسن علی صاحب مرحوم کی کتاب تائید حق اور سید عبدالحی عرب کی کتاب اوامر و نواہی قرآن مجید کیلئے تحریک کی اور اب بھی جن لوگوں تک یہ تحریر پہنچے ان کا فرض ہے کہ حضرت امام رضی کے حکم کی تعمیل کی خاطر ان کتابوں کو منگوائے۔ تائید حق کی قیمت ۴ر اور اوامر و نواہی کے ۱ر ہے

عربی سے قرآن مجید آتا ہے۔ عربی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت آتی ہے۔ اور آپ کی ہدایات
کا علم آتا ہے۔ عربی سے حقیقی آثار صحابہ اور تابعین کے پہچانے جاتے ہیں۔ جو کہتے ہیں۔ کہ عربی پڑھے ہوئے
ذلیل ہیں۔ وہ بے وقوف خود ذلیل ہیں۔ انہیں کہو۔ کہ تم نے **علم** نہیں پڑھا۔ مگر اب علماء کو
ضرورت سمجھ میں آگئی ہے۔ اور وہ باخبر ہو چلے ہیں۔ سجادہ نشینوں کو بھی اپنے تنزل کی خبر ہو گئی ہے
اور وہ بھی اس فکر میں ہیں کہ کچھ علاج کریں۔ مگر **تمہارا سجادہ نشین** زمانے کے حالات سے خدا تعالیٰ
کے فضل سے پہلے سے باخبر ہے۔ اس لئے میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ عربی پڑھنے میں کوشش کرو۔ جو قدر ہم
سمجھ میں آوے۔ جو کوشش ہو سکے کرو۔ مگر ضرور یہ بھی یاد رکھو۔ کہ تعلیم کا اصل منشاء وحدت کلمہ ہے۔ اگر
تمہارے دلوں میں رنج اور کدورت ہو گی۔ تو خدا کے مقبول نہیں ہو گے۔ اس کا علاج صبر اور دعا ہے
غرض تعلیم حاصل کرنا تمہارا مقصود ہو۔ دعا سے ہو۔ تقریر سے ہو۔ خوش معاملگی سے ہو۔ تعلیم۔ روحانی کی خاطر لنگر خانہ
مہمان خانہ۔ تالیف۔ خط و کتابت آنے جانیوالوں کے لئے مروّت کی راہ تھی۔ یہ **لنگر** تعلیم روحانی کا مدرسہ ہے۔ اب اس کے
ذریعہ تعلیم ہوتی ہے یا نہیں۔ تم خود موجود ہو اور میرا آج کا بیان گواہ ہے۔ پھر ایک ذریعہ **میگزین** ہے۔ اس کے
ساتھ تین مشکلات ہیں ایک ہی مضمون لکھتا ہے۔ چھپواتا ہے اور شائع کرتا ہے۔ وہ انسان ہے خدا نہیں ہے
اس سلسلہ میں ضرورت ہے کہ کوئی اور اس کے ساتھ شامل ہو۔ پھر لنگر کے ساتھ ضرورت پڑی۔ کہ یتامیٰ مساکین
اور مہاجر آویں۔ اس کے اندر ہی اندر **ہائی سکول۔ الحکم و بدر** کی ضرورت پڑ گئی۔ پھر ہمیں واعظوں
کی ضرورت ہے۔ میں درد دل سے کہتا ہوں۔ کہ ایسے واعظوں کی ضرورت ہے۔ جن کا منشاء خدا کو راضی کرنا ہے
ایسے واعظ دو طرح سے ہو سکتے ہیں دعا سے یا نگرانی سے۔ آپ لوگ دور رہتے ہیں۔ اور اس وجہ سے شائد ان مشکلات
سے واقف نہیں۔ مگر جو یہاں ہیں انہیں علم ہے۔ ایک نادان نے مجھ پر اعتراض کیا کہ حضرت صاحب ایسا لباس پہنتے
ہیں۔ یا بادام روغن کا پلاؤ کھاتے ہیں۔ میں نے اس کو کہا کہ ہمارے ہاں حلال ہے اور حکم ہے کلوا من الطیبات
شیعوں [illegible] کی طرح نکتہ چینیوں کی طرف نہ جھکو۔ بلکہ ہماری ضروریات اور اغراض میں ہمارے ساتھ
ہو جاؤ۔ میں نے ایک مرتبہ کہا تھا۔ نیا کپڑا بناؤ۔ تو پرانے یہاں بھیجدو۔ خواہ وہ پھٹا ہوا ہی کیوں نہ ہو جوتا ٹوٹا ہوا ہو
یہاں بھیجدو۔ وہ کام آسکتا ہے پھٹے اور دھلے ہوئے کپڑے عورتوں کے پوتڑوں ہی کے کام آسکتے ہیں دنیا میں

حضرت خلیفۃ المسیح کی دوسری تقریر

(فلسفۂ حب پر)

(جو ۲۸۔ دسمبر ۱۹۰۸ء کو بعد نماز ظہر عصر آپ نے فرمائی)

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشھد ان محمدًا عبدہٗ ورسولہ۔

اذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا۔ الایۃ

اللہ جل شانہٗ کے عجائبات میں قرآن مجید کو دیکھتے ہیں۔ تو حیرت ہوتی ہے۔ میں نے پرسوں وعدہ کیا تھا۔ کہ جو کچھ میں نے آج کہا ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی بات کہنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اگر توفیق اور وقت اور فرصت ملے چونکہ اللہ تعالیٰ نے سبھی کچھ دیدیا ہے۔ اس لئے میں اس فضل کے شکر میں آج اپنا وعدہ کو پورا کرتا ہوں۔ اب تمہیں تعجب ہوگا۔ کہ کیا کہا گیا تھا۔ بہتوں کو تحریر پہنچ جاوے گی اور انہیں یاد آجاویگا۔ جو کچھ کہا گیا (ایڈ)۔ بہتوں کو اب بھی یاد ہوگا۔ تاہم پھر میں آج یاد دلاتا ہوں۔ میں نے اپنی پچھلی تقریر کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے شروع کیا تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح نے ابھی تقریر شروع ہی کی تھی۔ کہ سامنے سے ایک سکھ پیش ہوا۔ اُسے دیکھ کر حضرت نے فرمایا۔ کہ اس کا ایک بھائی تھا۔ جس نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ وہ فوت ہوگیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اس نے اپنے بھائی کو مرتد کہا گیا۔ کہ نام دھاری سکھ ہو کر مسلمانوں سے نکل جائیو۔ اب یہ اسی دُھن

میں پھرتا ہے۔ ۷ عجائبات قدرت ہیں۔

خلاصہ تقریر اوّل میں نے بتایا تھا۔ کہ اوّل اوّل اللہ تعالیٰ کی توحید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کی ضرورت ہے۔ پھر بتایا۔ کہ اگر ماں باپ اچھے ہوں۔ اور صلحا کا کنبہ ہو۔ تو تربیت میں فائدہ پہونچتا ہے۔ اور آئندہ زندگی پر اس کا بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ اسلام کی تعلیم کا خلاصہ بھی یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب سمجھ کر اس پر استقامت اختیار کی جاوے۔ اور ہر وقت اس کی عظمت و جلال کا اظہار کرتے رہیں۔ چنانچہ سب سے پہلی وحی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی وہ یہی تھی

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي ۔ الآیۃ

یعنے تو اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے انسان کو ادنیٰ چیز سے پیدا کیا اور جو اکرم ہے۔ اب دیکھو۔ کہ انسان کو ایک ادنیٰ چیز سے پیدا کر کے کسی اعلیٰ مقام پر پہونچایا۔ پس تو گویا اسی کا نام لئے جا۔ قلم کے ذریعہ بھی انسان کو علم سکھاتا ہے۔ پھر دوسری وحی جو ہوئی۔ وہ یہ تھی یا ایھا المدثر قم فانذر۔ و ربک فکبر اس میں بھی یہی ہدایت ہوئی۔ کہ تو اپنے رب کی بڑائی بیان کر۔ ایسی عجیب اور کامل طور پر اس حکم کی تعمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔ کہ اب تک روئے زمین پر پانچوں وقت اللہ اکبر پکارا جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ بتایا۔ کہ ایمان کیا چیز ہے؟ اس کے بعد جنت۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ پھر حدود اللہ کا بیان کیا۔

اب عامی رنگ کا مسلمان کہہ سکتا ہے۔ کہ اس کے سوا بڑھ کر کیا چیز ہے مگر میں وہ اب پیش کرتا ہوں۔ اس لئے میں بہت ہی پسند کروں گا۔ کہ چند منٹ تم اس کے سننے میں لگاؤ۔ کیا اس لئے کہ مضمون کیسا عجیب ہے؟ اور کیا اس لئے کہ کہنے والا کون ہے؟ کیا اس لئے کہ سننے والے کون ہیں۔ مضمون کیا ہے؟

اَلْحُبُّ

اَلْحُبُّ کیا چیز ہے؟ اس کی بڑی ضرورت ہے۔ اگر حُبّ ہو گی۔ تو لا الہ اللہ کی ضرورت ہو گی۔ اگر حب ہو گی۔ تو انبیاء۔ اولیاء اور پاک کتاب کی بھی اتباع کریں گے۔ اگر یہ حب نہ ہو گی۔ تو پھر یہ اور رنگ کی ہو گی

اور کفار کا اتباع کریں گے۔ میں یقیناً کہتا ہوں۔ کہ حب بڑی نعمت ہے۔

حب کی تعریف اور اس کے کرشمے

یہ ایک قوت ہے۔ جو دل میں توجہ کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔ اور جس کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ وہ اس توجہ کے ذریعہ **لذت** حاصل کرنا چاہتا ہے۔ محب وہ ہے۔ جو توجہ کرتا ہے اور محبوب وہ ہوتا ہے۔ جس کی طرف توجہ کرتے ہیں اب حب محب اور محبوب کے معنے سمجھ لو جب تک کشش ہے۔ جو دل سے اٹھتی ہے اور پھر اس کو ذریعہ شوق۔ توجہ۔ مال و زر اور دوسرے اسباب لذت کو اپنی طرف کھینچ لاتی ہے۔ محبوب جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ لذیذ چیز کا نام ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اس سے لذت پیدا ہوگی۔ اور محب وہ ہوتا ہے۔ جس کے اندر یہ بات پیدا ہو۔ اور یہ کشش کی لہر اٹھے۔ اب ہم لا الٰہ الا اللہ بھی کسی محبت کے جوش اور جذبے سے کہتے ہیں۔ اگر یہ کوشش روح نہ ہوتی۔ تو ہم کو لا الٰہ الا اللہ کی نہ توفیق ملتی۔ اور نہ وہ ہمارے لئے باعث لذت ہوتا۔

حب ہی ہوتی ہے۔ جو انبیاء علیہم السلام کو انتھک کوششوں کیلئے تیار کرتی ہے۔ اور پھر اسی حب کا جوش ہوتا ہے۔ جو ہم ان کی اطاعت کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ حب ہی ہے جو انسان کو مومن پھر صدیق بناتی ہے۔ اور ایسے صدیقوں کو انبیاء سے جا ملاتی ہے۔

حب ہی ہے جو شہداء کو سر بکف کر کے خدا تعالیٰ کی راہ میں لئے پھرتی ہے۔ ایک صحابی کا واقعہ لکھا ہے کہ اس نے ایک جنگ میں پوچھا۔ کہ جنت کتنی دور ہے۔ وہ ایک کھجور کھا رہا تھا۔ جب اسے کہا گیا کہ ایک قدم۔ تو وہ فوراً کھجور ہاتھ سے پھینک کر آگے بڑھا۔ کہ اس کے کھانے میں دیر لگتی ہے۔ یہ جوش اور یہ کشش اسی حب کا ایک کرشمہ تھا۔ اب جبکہ یہ معلوم ہو گیا۔ کہ حب کیا چیز ہے۔ تو سوال ہوتا ہے۔ کہ

حب پیدا کس طرح ہوتی ہے؟

حب پیدا کس طرح ہوتی ہے؟

حب کے پیدا ہونے کی عجیب و غریب راہیں ہیں مگر پانچ ایسی راہیں ہیں۔ جو دوسرے علوم کے لئے بھی ہیں۔ **اوّل**۔ ایک حسین کو

اور وہ مشارق الانوار تہی

اس کتاب کا اردو مین ترجمہ ہوچکا تھا اور مجھہ کو اردو زبان سے بہت رغبت تہی اور مین اس مین بہت دلچسپی لیتا تہا اس لئے اس کتاب کو مین نے بڑے شوق سے پڑہا اور نہ صرف پڑہا بلکہ اس زمانہ مین مجھے اس کتاب کے مضامین کی اشاعت کا ایسا جوش پیدا ہوا کہ مین نے منشی مہدی خان صاحب مرحوم (جو ہمارے دوست محمد نواب خان صاحب کے ماموں تھے) یہ ساری کتاب مختلف جیون سے سنادی۔

شرک سے مجھے پہلے ہی بڑی نفرت تہی مگر اس کتاب نے بڑا نفع دیا۔

شرک کیونکر پیدا ہوتا ہے

جب دنیا مین مختلف قسم کے حوادث اور واقعات پیش آتے ہین۔ تو کمزور کم عقل لوگ شرک مین گرفتار ہو جاتے ہین ندیون مین غرق ہوتے اور اون کے طوفانون سے تباہ اور ہلاک ہوئے۔ تو جھٹ ان کی پرستش شروع کردی پہاڑ گرے اور کہین آتش خیز پہاڑون کے شعلے دیکھے۔ جھٹ ان کی پرستش کرنے لگے چونکہ ہندوستان مین دہوپ پڑتی ہے اور اس سے آرام کے لئے سایہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس دہوپ سے بچانے اور آرام دینے مین بڑ کا درخت بہت ہی مفید ہے جس لئے اس کی پرستش اور پرورش کی طرف خاص توجہ انہون نے کی۔ غرض ہندوستان کی مشرک قومون کے معبودون کی حقیقت خوف اور امید کے اندر پوشیدہ ہے اور شرک بہی اسی طرح ہوتا ہے اونہون نے جس چیز کو مفید سمجہا یا اسے اپنے لئے مضر پایا جھٹ اوس کو دیوتا اور معبود بنالیا۔ مین نے

تربیت کا پانچوان مرحلہ

ان امور پر غور کیا اور اپنے آپ کو محتاج پایا اور دیکھا کہ مضر اشیاء کی تکلیف سے بچنے کی ضرورت ہے اور مفید سے فائدہ اٹھانے کی حاجت

دیکھ کر دل میں ایک کشش اور توجہ پیدا ہوتی ہے۔ پھر یہ محبت بڑھتی ہے۔ اور اس میں کچھ ایسا کیمیاوی اثر ہوتا ہے۔ کہ پھر اُس کے مقابلہ میں مال و دولت۔ عزت و آبرو۔ جان و جسم کی کچھ بھی پرواہ نہیں کی جاتی ہے اور اس سے ایک عاشق دوسرا معشوق کہلاتا ہے۔ اور عاشق اپنے معشوق پر سب کچھ قربان کر دیتا ہے یہ واقعہ ہے۔ اور قرآن کریم نے بھی اس قسم کی حُب کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ حضرت یوسف اور ایک بیوی کی حُب کا ذکر یا یوسف اور اُس کی محبت کا واقعہ۔ ہر ملک اور ہر قوم میں اس کے نظائر موجود ہیں یہ حُب آنکھ کے ذریعہ پیدا ہوئی۔ ہمارے ملک میں سوہنی مہینوال۔ ہیر رانجھا۔ مرزا صاحباں کے قصّے عام طور پر مشہور ہیں۔ یہ تمام کرشمے حب کے ہیں۔ اور وہ آنکھ کے ذریعہ متاثر ہوئی۔

پھر کبھی حُب اپنا اثر کان کے ذریعہ کرتی ہے۔ اس کے کرشمے یوں تو میں نے بہت دیکھے ہیں مگر ایک کا ذکر کرتا ہوں۔ میں پنڈ دادنخان میں مدرّس تھا۔ ایک ہندو مدرّس میرے ماتحت تھا۔ اس کو راگ کے ساتھ خطرناک حُب تھی۔ میں نے اُس کو دیکھا۔ کہ جہاں راگ کی آواز اس کے کان میں آئی۔ وہ سب کام چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض خطرناک موقعوں پر جب کہ افسر سامنے موجود ہو۔ وہ آواز سنتے ہی ہر کام چھوڑ کر بھی بھاگ جاتا۔ اور کچھ پرواہ نہ کرتا۔

پھر میں نے دیکھا ہے۔ کہ کھانے پینے یعنے ذائقہ کے متعلق ایک حُب ہے ایسے لوگ میں نے دیکھے ہیں جو ہزاروں روپیہ کھانے پینے میں خرچ کر دیتے ہیں۔ پھر کپڑے پہننے کی حُب ہے۔ پھر ایک اور حُب ہے۔ جس کا نام شہوت ہے۔ اس حُب میں توغل کا نتیجہ ہر شہر میں دیکھا گیا ہے۔ کہ بہت سے خاندانوں کا قطع نسل ہو گیا ہے صرف ایک لذت کی حُب نے ہر ملک اور ہر شہر میں لاولد قومیں بنا دیں۔ میں چونکہ طبیب ہوں اور اس لذت کے تعلق کا علم رکھتا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ اوسط پچیس منٹ ہے۔ صرف اس پچیس منٹ کی خاطر میں نے دیکھا ہے کہ قطع نسل ہوئی ہے۔ اور کئی خاندانوں کا نام و نشان مٹ گیا۔ بہت سے اموال اور جائدادیں تباہ ہو گئی ہیں جن پر لاکھوں آدمیوں کا گذارہ ہو سکتا تھا۔ یہ حُب عجیب عجیب راہوں سے آتی ہے۔ ہمارے شہر میں ایک لڑکے کو خود بدکاری کرانے کی حُب تھی۔ اور وہ اس حد تک اس لذت کا غلام ہو چکا تھا۔ کہ خواہ کوئی اس کی بیوی بھی لے جاوے۔ مگر اس کی اس ہوس کو پورا کرے۔

ہ کان۔ آنکھ۔ زبان اور شہوت کا ذکر تو ہو لیا۔ مگر ان کے علاوہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں۔ جو ناک کے ذریعہ برباد ہوئے ہیں۔ ناک کے ساتھ دو امور وابستہ ہیں۔ ایک تو فطرتی ہے۔ یعنی خوشبو۔ پچاس روپیہ تولہ والا عطر گلاب استعمال کرنے والے بھی میں نے دیکھے ہیں۔ پھر یہی نہیں۔ کہ صرف اُن کو لگایا جاتا ہو۔ بلکہ لگانے والے پہلے تو خود لگا لیتے اور پھر تمام متعلقین کو لگا دیتے۔ میں نے منع بھی کیا۔ مگر اُس نے کہا کہ وہ چکنائی کی برداشت نہیں کر سکتے اس لئے پہلے اوروں کو لگا دیا جاتا ہے۔ تا کہ چکنائی کی تیز بو دور ہو جاوے۔

پھر ایک اور امر ناک کے متعلق ہے۔ جس کو کہتے ہیں۔ کہ اگر فلاں کام نہ کیا جاوے۔ تو ناک کٹتی ہے اور یہ رسوم اور رواج ہیں۔ اب تُم نے دیکھ لیا۔ کہ انسان اِس حُبّ کے اندر کیا کُچھ کرتا ہے۔ اور آنکھ۔ کان۔ زبان ناک اور شہوت کی حُبّ کے لئے کیا کرتا ہے۔

یہ تم نے سمجھ لیا۔ کہ حُب کیا چیز ہے۔ وہ خواہش ہے لذت کی مُحب متلذذ ہے اور محبوب متلذذ ہے۔ ٹٹولنے کے متعلق بھی حُبّ ہے۔ اس کے لئے قسم قسم کے لباس بنتا ہے۔ اور پھر قسم قسم کی عورتوں کو چاہا گیا ہے۔ کیا تُم دیکھتے نہیں۔ کہ غریب سے غریب آدمی بھی شادیوں پر کس قدر خرچ کر دیتا ہے۔ پھر مہروں کو دیکھ لو۔ کہ لاکھ لاکھ کروڑ کروڑ مہر باندھتے ہیں۔ غرض یہ حب ان پانچ حواسوں کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہے میں نے کبھی اس پر وعظ نہیں کیا۔ گویا اس مضمون پر کُچھ کہنے کی یہ پہلی تاریخ ہے۔ اور تمہارے لئے بھی یہ پہلا ہی دن ہو گا۔ کہ حب پر مضمون سُنو۔ اس حب پر بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔

ان پانچ حواسوں کے سوا ایک اور سلسلہ بھی حواس کا ہے۔ چنانچہ ایک اور حس ہے۔ جو ان پانچوں کے اختلاط اور کیمیاوی اثر کا ایک نتیجہ سمجھنی چاہیئے۔ اس کا نام حِس **مشترک** ہے۔ جن لوگوں نے حواس کے فلسفہ پر بحث کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ جہاں پانچوں حواس جمع ہوں۔ اور پھر ان سے الگ ہو کر جو چیز محفوظ رکھتی ہے۔ اس کا نام **خیال** ہے۔ اور اس سے پرے ایک اور باریک چیز ہے۔ جس کو معانی کہتے ہیں۔ جیسے چوہا جب بلّی کو دیکھتا ہے۔ تو وہ فوراً دہل جاتا ہے۔ گویا اندر ہی اندر اُسے ایک علم ہو جاتا ہے۔ کہ یہ مُجھے نہیں چھوڑے گی۔ اور وہ گھبرا جاتا ہے۔ دوسری طرف بلّی کو وہ شعور ہوتا ہے۔ کہ اب یہ بھاگ نہیں سکتا۔ وہ ایک جست کر کے اسے فوراً پکڑ لیتی ہے۔

۔۔۔۔۔۔۔ جب اپنے بچّوں کو چوہے کا پکڑنا سکھاتی ہے۔ تو عجیب عجیب تماشے کرتی ہے۔ وہ چوہے کو پکڑ کر بچّے کے سامنے رکھدیتی ہے پھر وہ پکڑتا ہے۔ پھر چھوڑ کر پکڑتا ہے۔ یہی حال شیروں اور بارہ سنگھوں کا ہے۔ میں نے دیکھا ہے۔ کہ بارہ سنگھہ شیر کی آواز سُنتے ہی ڈر جاتا ہے اور اندر ہی اندر اس کی طاقت زائل ہو جاتی ہے۔ یہ کیا سِرّ ہے۔ یہ ایک طاقت ہے۔ جو اندر معنوں کو محفوظ رکھتی ہے۔ اسے **حافظہ** کہتے ہیں۔ پھر ایک اور قوت پیدا ہوتی ہے۔ جو **متفکرہ** کہلاتی ہے پھر دماغ میں ہزاروں قسم کی ایسی سلوٹیں اور پیچ در پیچ مقامات اور اعصاب کا اتنا بڑا کارخانہ ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ آنکھ کی بناوٹ پر غور کریں۔ تو یہ ایک اور ہی دُنیا ہے۔ سبز دیکھنے کے لئے اور ہی ڈورے ہیں۔ سُرخ دیکھنے کے لئے الگ۔ غرض مختلف رنگوں کے دیکھنے کیلئے مختلف اعصاب ہیں۔ اور وہ سب کے سب ایک ہی وقت میں اپنا جُدا جُدا کام کر رہے ہیں بہت سے لوگ ہمارے پاس علاج کے لئے آتے ہیں۔ جو کوئی ایک رنگ نہیں دیکھ سکتے تھے۔ غرض یہ بھی ایک بڑا سلسلہ ہے پھر دیکھو۔ کہ ایک شخص تیز دوڑتا ہوا جا رہا ہے۔ راستہ میں کوئی ٹھوکر کا پتھر آتا ہے۔ تو اس تیزی کے ساتھ پاؤں کے پٹھے کو حکم ہوتا ہے۔ اور وہ فوراً اپنا پہلو بدل کر اس سے بچ کر نکل جاتا ہے۔ یہ محسوسات کا تماشہ ہے۔

ربّانی فیض کا منبع

مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فیضان آتے ہیں۔ ڈاکٹروں کی آنکھ اُس کو دیکھ نہیں سکتی۔ اور وہ نہیں جانتے۔ کہ اس کا منبع کیا ہے؟ اس لئے کہ ان کی نگاہ محسوسات سے آگے نہیں جا سکتی۔ ان کے علوم کے وارث اور عالم وہ لوگ ہوتے ہیں جو انبیاء کہلاتے ہیں۔ پھر ان کے اتباع اور تعلیم سے تیار شدہ لوگ جو اولیاء اور متقی ہوتے ہیں انہیں ان فیضانوں کا علم دیا جاتا ہے۔ جناب الٰہی کی طرف سے جو خبریں آتی ہیں اس کے علوم بالکل الگ ہیں۔ انسان کے اندر دو قسم کے مرکز ہیں۔ ایک **دماغ** دوسرا **دل**۔ دماغ دنیوی علوم اور مادی محسوسات کا منبع کہنا چاہئے۔ اور قلب **آسمانی علوم** کا مرکز ہے۔

قرآن شریف کی غرض اور **مقصود** اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلّقات کو بڑھانا ہے۔ اور انسان کو

آسمانی علوم کا وارث کرتا ہے۔ اس لئے وہ کہتا ہے۔ الا من اتی اللہ بقلب سلیم
اب اس آیت میں دماغ کا ذکر بالکل گم کرتا ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ دماغی نشوونما کی ضرورت
اور دماغی عجائبات پر غور کرنے کی ضرورت ہٹاتا نہیں۔ بلکہ قرآن مجید دوسرے مقامات پر افلا تبصرون
اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ بھی استعمال کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ دماغی ترقی سے
روکتا نہیں۔ اس کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ مگر انسانی خلق کی غائت اور مقصد مادی ترقیات نہیں۔
اس لئے ذہنی ترقیوں کے ساتھ اس کا پہلا فرض یہ ہونا چاہئے۔ کہ وہ قلب سلیم کے عجائبات کو
مشاہدہ کرنے کی کوشش کرے۔ جو تقویٰ اللہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور تمام سروروں کا باعث
ہوتے ہیں۔ پاک مطاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ حبب الیّ من دنیاکم
ثلث۔ النساء والطیب و قرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
یہی فرمایا ہے۔ کہ جناب الٰہی نے محبت ڈال دی ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں محبت کرتا ہوں۔ کل پرسوں
میاں منظور محمد نے مجھ سے پوچھا کہ مدارج ترقی کی انتہا بھی ہے۔ اس وقت خیال آیا۔ کہ صوفیوں نے
اس پر کتابیں کی ہیں۔ تمام ترقی یافتوں میں اولیاء ہوتے ہیں۔ اس میں غائت درجہ جناب الٰہی کا دیدار
ہے۔ پس یہ لوگ تو وہاں تک تڑپتے ہیں۔ کہ اس مقام لقاء تک پہونچ جاویں۔

حضرت معروف کرخی کو کسی نے رویا میں دیکھا۔ کہ وہ یوں کھڑے تھے (اس موقعہ پر حضرت
خلیفۃ المسیح نے آسمان کی طرف منہ کرکے ٹکٹکی لگا کر بتایا) یعنے آسمان کی طرف ٹکٹکی باندھے کھڑے
ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ کیوں کھڑے ہیں؟ تو جواب دیا۔ کہ جناب الٰہی کو دیکھتے ہیں۔ اور کوئی خواہش
اب باقی نہیں رہی۔ جو لوگ صوفیا کی صحبت میں بیٹھتے ہیں۔ وہ للذین احسنوا الحسنیٰ
وزیادۃ کے یہ معنے لیتے ہیں۔ النظر الی وجہ اللہ۔ ان لوگوں میں یہ کمائی لقاء اللہ
تک ختم ہو جاتی ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام میں عبودیت کی حب رکھی ہے۔ اس حب کا محبوب بھی
اللہ ہے۔ جب تک اللہ ہے۔ عبودیت بھی ہے۔ چونکہ حکم دینے والے کے مدارج کا انتہا نہیں اس لئے
ترقیات کا بھی انتہا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرشتہ کے ذریعہ پوچھا گیا۔ کہ آپ کیا

بننا چاہتے ہیں۔ فرمایا عبد۔ پھر پوچھا۔ تو یہی فرمایا کہ عبد۔ پھر پوچھا۔ تو فرمایا کہ عبد۔

غرض

حب کے بہت عجائبات ہیں۔ پہلا مرتبہ حواس خمسہ سے شروع ہوتا ہے۔ پھر حواس خمسہ باطنی پھر قلب کے عجائبات ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ میرے قلب میں محبت ڈالی گئی۔ ایک بیویوں کی یہ کیوں؟ یہ بھی محبت کی جامع ہوتی ہیں۔ آنکھ بھی حظ اٹھاتی ہے۔ کان بھی مس سے بھی لذت حاصل ہوتی ہے۔ اس سے مراد آپ کی مراد یہ تھی۔ کہ حواس کے ذریعہ سے جو انسانی کمالات ہیں خدا تعالیٰ نے مجھے ان سے بھی متمتع کیا ہے۔ اور یہ حواس سب عجیب دیئے ہیں۔ پھر ان میں ایک چیز ناک کے متعلق عارضی ہے۔ اس لئے فرمایا۔ کہ مشک کی بھی محبت دی ہے۔ یہ عجائبات دماغ کے متعلق تھے۔ اس لئے ان کے ذکر کے بعد فرمایا۔ کہ قلب کے کمالات بھی عطا فرمائے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

قرۃ عینی فی الصلوٰۃ

پہلے فرمایا تھا حبب الی یعنے مجھ میں محبت ڈال دی گئی ہے۔ اور یہاں فرمایا کہ قرۃ عینی۔ میری آنکھوں کا سرور اور ٹھنڈک تو نماز میں ہے۔ ساری خوشیوں کا منتہا اور ساری لذتوں کی جڑ آپ کے لئے نماز ہے۔ اگرچہ یہ بھی کہا کہ مراد عائشہ و بتول ہے

ایک علمی نکتہ عربی زبان میں جب مونث مذکر کو جمع کرتے ہیں۔ تو غلبہ مذکر کو دیتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں۔ امراءۃ و رجال جاءوا یعنی عورتیں اور مرد آئے۔ اس لئے یہاں ثلث کہا۔ ثلثۃ نہیں کہا؟ پھر یہ سوال ہے کہ نساء کو مقدم کیوں کیا؟

صوفیانہ ذوق کی بات ہے۔ اس کا سر صوفیا نے یہ لکھا ہے کہ سارا کارخانہ جناب الٰہی کا موقوف ہے اثر ڈالنے پر اور اثر لینے پر۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ ملا۔ وہ اثر کرنے پر موقوف تھا۔ بیوی بھی ایک اثر کو قبول کرتی ہے۔ اور اس اثر کا نتیجہ ہے۔ جو بچہ پیدا ہوتا ہے۔ آسمان بھی نُطفہ کی طرح زمین پر پانی ڈالتا ہے۔ اور پھر اس کی تاثیرات کے نتائج مختلف ہیں۔ اسی طرح پر تاثیرات کا ایک وسیع سلسلہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع کمالات ظاہر کیا ہے۔ اور بھی کچھ چیزیں آپ کو پسند تھیں۔ ان میں سے ایک دودھ بھی ہے۔ جب آپ دودھ لیکر پیتے تو فرماتے الٰہی اس سے بڑھ کر دے۔ اور کوئی اور چیز لیکر کھاتے۔ تو فرماتے۔ اس میں برکت دے۔ دودھ کے بھی بڑے عجائبات ہیں۔ ہمارے ایک دوست ہیں۔ اُن کو ایک مرتبہ خواب آیا کہ میرے پاس دودھ کا نصف پیالہ ہے جو مجھ سے اُنہوں نے لیکر پیا۔ میں نے اس کی تعبیر کی کہ علم غالباً آپ ہم سے پڑھیں گے۔ ان دنوں مولوی عبدالکریم مرحوم مجھ سے بخاری پڑھتے تھے۔ نصف ہو چکی تھی۔ کہ وہ آئے۔ بعض باتیں جو پسند آئیں۔ تو بے اختیار کہہ اُٹھے۔ کہ اب میں بھی پڑھوں گا۔ چنانچہ باقی نصف بخاری اُنہوں نے مجھ سے پڑھی۔ اور اس طرح پر یہ رویا پورا ہو گیا۔ قصۂ معراج میں بھی آیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شراب اور دودھ پیش کیا گیا۔ آپ نے دودھ ہی پسند کیا اور پیا۔ اس پر جبرائیل نے کہا۔ کہ اگر آپ شراب پیتے۔ تو امت غاوی ہو جاتی۔

غرض محبت ایک چیز ہے۔ جو آنکھ۔ کان۔ زبان۔ لمس اور شہوت سے پیدا ہوتی ہے۔ اب اس سے آگے چلیں۔ تو یہ بات کھلتی ہے۔ کہ اگر یہ چیزیں دُنیا میں موجود نہ ہوتیں۔ تو یہ محب اور محبوب کہاں ہوتے؟ اس سے معلوم ہوا کہ وجود جڑ ہے۔ تمام محبتوں کی۔ جسقدر اس میں ترقی ہوگی۔ اسی قدر محبت میں ترقی ہوگی۔ مثلاً ایک عورت ہے۔ اُس کی شکل چڑیل کی سی ہو۔ انسان اس سے محبت نہیں کر سکتا۔ بدشکل انسان ہے تو موجود مگر وہ محبوب نہیں۔ پاخانہ موجود ہو۔ تو وہ مطلوب نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ وجود کے ساتھ کمالات ہوں۔ تو وہ محبوب ہو سکتا ہے۔ پس حب کا وجود موجود ہے تو بھی بشرطیکہ وجود کے ساتھ کمال ہو۔ جسقدر کمالات میں ترقی ہوگی۔ اسی قدر محبت زیادہ ہوگی۔ جہاں کمال پیدا ہوتا ہے۔ محبت بھی جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اس کمال میں بقا نہ ہو۔ تو کچھ بھی نہیں۔ مثلاً آنکھ کے سامنے ایک خوبصورت شے جلدی سے گذر جاوے تو وہ اتنی پسندیدہ نہیں ہو سکتی۔ بہ نسبت اس کے کہ وہ زیادہ دیر تک ہمارے پیش نظر موجود ہو۔ اس کے ساتھ کمال ہو۔ اور کمال کے

ساتھ بقا ہو۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ لوگ خودکشی کیوں کر لیتے ہیں۔ اس کی جڑ یہی ہے کہ اگر وہ کمال کا بقا دیکھ لیتے تو ہرگز ایسا نہ کرتے۔ یہ جو ہم کہتے ہیں۔ کہ آنکھ ناک اچھی ہو۔ تو یہ اس قسم کی محبت ہے۔ لوگ مال و دولت اور دوستوں کو پسند کرتے ہیں یہ بھی دراصل محبوب کے لئے ہے۔ غرض جو کچھ ہے۔ حسن و جمال کی خاطر ہے۔ جس کے سبب ان چیزوں کو پسند کرتے ہیں اس کے آگے ایک اور چیز ہے۔ اور وہ احسان ہے۔ آنکھ ہے ناک۔ کان کا کوئی مزا نہ ہو۔ تو احسان کی وجہ سے بھی محبت ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر کے سامنے ایک خطرناک مریض ہو۔ زخموں میں پیپ پڑ چکی ہو۔ بدبو آتی ہو۔ ڈاکٹر اس کا علاج کرتا ہے۔ ڈاکٹر کی کوئی چیز بھی اسے پسند نہ ہو۔ مگر مریض ہے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ کیوں؟

جبلت القلوب علی حبِّ من احسن الیہ

انسانی فطرت میں یہ امر ہے۔ کہ وہ اس شخص سے جو اس کے ساتھ احسان کرتا ہے۔ محبت کرتا ہے۔ پس ایک ذریعہ حُب کا احسان بھی ہے۔ احسان ایک ایسی چیز ہے۔ کہ بعض وقت فاسقوں فاجروں کو بھی پسند آنے لگتا ہے۔ روٹی کپڑا۔ مکان وغیرہ چیزیں جو انسان کو اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان سے محبت کرتا ہے۔ تو اس کی جڑ بھی احسان ہی ہے۔ دوائی جو آنکھ میں ڈالتے ہیں۔ اگرچہ وہ لگتی ہے۔ اور تکلیف ہوتی ہے تاہم اچھی معلوم ہوتی ہے۔ ایسا ہی لباس وغیرہ کا حال ہے۔ بعض چیزوں کے حسن کو بیان بھی نہیں کر سکتے۔ (اس موقعہ پر حضرت نے ایک نابینا کی مثال بیان کی۔ جس کو کبوتر بازی کا شوق تھا۔ اور جب وہ کبوتر اُڑاتا۔ تو منہ اُٹھا کے اٹھ پر ہاتھ مار کر مزا لیتا) یہ بھی ایک حُب ہے۔ کہ انسان اسے بیان نہیں کر سکتا۔

ہم میں کی ایک اشنا نے مجھ کو بتایا

میں طالب علم تھا۔ میرے ایک محسن مکرم عنایت عبدالرشید مراد آبادی تھے۔ انہوں نے کہا۔ کہ میں بنارس کے ایک لڑکے پر عاشق ہوں۔ ہم دس بارہ آدمی اُس کو دیکھنے گئے۔ کہ وہ کون بنارسی لڑکا ہے۔ جس پر یہ عاشق ہیں۔ اس نے سوچا۔ کہ ان کی آنکھیں تو اس طرح سے نہیں دیکھتی ہیں۔ جس طرح پر میں دیکھتا ہوں ممکن ہے کہ جن وجوہات سے میں اُسے پیار کرتا ہوں۔ اُن کے نزدیک وہ کچھ بھی نہ ہوں۔ اس لئے اُس نے ان سے کہا۔ کہ ٹھیرو۔ میں دیکھ آؤں۔ کہ وہ مکان پر بھی ہے یا نہیں وہ ایک چکر لگا کر آ گیا اور کہا کہ وہ آج دوکان پر نہیں ہے۔

میں نے کہا کہ یہ بھی ایک نکتہ ہے۔ کہ حب ہوتی ہے۔ مگر سمجھ ہی نہیں آسکتا۔ اس کو حب لا لمر ما کہتے ہیں۔ بعض لوگ سورہ یوسف پڑھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یوسفؑ بڑے ہی خوبصورت تھے۔ مگر انہیں آنکا عشق نہیں آتا۔ اور بھی بہت سی چیزیں ہیں۔ جن کا بیان نہیں کر سکتے۔

میرے ایک دوست یہاں آئے تھے۔ وہ کانگڑہ میں رہتے ہیں۔ انہوں نے مجھے کہا۔ کہ آپ ہاں آئیں۔ عجیب عجیب دلربا سینریاں ہیں۔ مَیں نے کہا کہ کیا کیا سینری ہے۔ بیان تو کرو۔ اس پر کہنے لگے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ مگر آخر یہ سب محبوب جو میں نے بیان کئے۔ زوال پذیر ہیں ح ایک شخص ایک عورت کو بھگا لیجاتا ہے۔ سرف آنکھ کی خوشی کے لئے۔ چند روز کے بعد جب معلوم ہوا کہ اُسے آتشک تھا یا عورت کی ناک کٹ گئی۔ تو اُسے چھوڑنا چاہتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ کسی طرح سے اس بلا سے رہائی ملے۔ اس محبوب کو پھر بلا سمجھتا ہے۔ مَیں نے ایسے گویئے دیکھے ہیں کہ وہ عقل فکر حیران کر دیتے ہیں۔ مگر ذرا آواز بگڑ گئی۔ تو پھر گلستان کا یہ مصرعہ لوگ

پنبہ ام در گوشش کن

پڑھ اُٹھتے ہیں۔ غرض فانی چیزوں کی محبت کا یہی حال ہے۔ کہ وہ فانی اور زوال پذیر ہیں تماشا کی گڑیا کیسی حسین ہوتی ہے۔ مگر کوئی اسے محبت نہیں کرتا۔ سب جانتے ہیں۔ کہ ابھی تباہ ہو جائیگی۔ ان واقعات سے ایک امر ہمارے ہاتھ آگیا۔ کہ حسن یا احسان ہو۔ اس کے ساتھ کمال ہو۔ اُس میں دوام ہو۔ تو وہ محبوب ہو جاتا ہے۔ اس سے آگے بڑھو۔ ایک اور باریک چیز ہے۔ جو محبوبیت کی شان رکھتی ہے۔ وہ علم ہے۔ اگر علم کا ذوق ہو۔ تو حسین جمیل بیوی کتنا ہی کہے۔ کہ یہاں ٹھہرو۔ تو وہ یہی کہیگا کہ فلاں عالم کا آج لیکچر ہے۔ میں تو اُسے سنونگا۔ تمہارا آنا و یہاں آنا بھی اُسی ذوق کے ماتحت ہے۔ جو سارے آرام چھوڑ کر چلے آئے۔ ایک واعظ ہو۔ سخت بدشکل ہو۔ مُنہ کے دانت نکلے ہوئے ہوں۔ لیکن اپنے کمالات علم کی وجہ سے وہ محبوب ہو جائیگا۔ اس سے یہ مسئلہ حل ہوا کہ ایک محبوب پر دوسرا محبوب قربان کیا جاتا ہے۔

کبھی علم سے محبت ہوتی ہے کبھی دین سے۔ انبیاء و رسل سے محبت کی جڑ یہی ہے۔ مگر میں

عناق نام ایک کنچنی زمانہ جاہلیت میں تھی۔ ایک صحابی کا زمانہ جاہلیت میں اس سے تعلق تھا جب وہ مسلمان ہوا تو وہ تعلق بھی جاتا رہا۔ وہ ہمیشہ مدینہ سے مکہ آتے اور مسلمان قیدیوں کو چھڑا کے جاتے یہ بدکار قوم ایسی ہے۔ کہ جب کوئی نہ ملے۔ تو دیر تک چراغ جلا کر بیٹھی رہتی ہیں۔ ایک رات جو وہ آیا تو اس کا گذر اس کے گھر کے پاس سے ہوا۔ تو اُس نے کہا کہ او جابر! میں جانتی ہوں۔ تو کس غرض کیلئے آیا ہے۔ میں تیری غرض میں مدد دوں گی تھوڑی دیر کے لئے یہاں آ جاؤ۔ جابر نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا ہے۔ اُس نے کہا۔ محمد فی المدینۃ این ینظر یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو مدینہ میں ہے۔ وہ کہاں دیکھتا ہے۔ جابر نے کیا اچھا جواب دیا۔ رب محمد ینظر اس پر اس کنچنی نے کہا۔ کہ پرانا زمانہ یاد کرو۔ مگر اس پر بھی جب اس کا مطلب پورا نہ ہوا۔ تو کہا تمہیں مشکلات میں ڈلوا دوں گی۔ اس نے اس پر کہا کہ کچھ بھی پرواہ نہیں۔ کیونکہ وہ تو اپنے تمام محبوبات کو اسلام کیلئے جواب دے چکا تھا۔ یہ سُن کر وہ چلائی۔ کہ مکہ والو! تمہارے قیدیوں کو چھڑا لے جانے والا یہ موجود ہے۔ اس پر سب ٹوٹ پڑے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ محبوبوں میں بھی فرق ہوتے ہیں۔

وطن بھی محبوب ہے۔ اولاد بھی محبوب ہے۔ بیویاں بھی محبوب ہیں۔ مگر پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر صحابہ نے سب کو قربان کر دیا۔ اور ایک جب دوسری پر غالب آ گئی۔ اس محبت کے ذریعہ بڑے بڑے سرچشمہ پھوٹتے ہیں۔ دیکھو تم کو حضرت صاحب سے محبت ہے۔ پھر میاں محمود سے محبت ہے۔ پھر ان کی دوسری اولاد سے محبت ہے اور پھر مجھ سے بھی محبت ہے لیکن اگر کوئی امر مجھ سے خلاف شریعت سرزد ہو۔ تو پھر تم کہدو گے۔ کہ ہم تو اللہ کے لئے محبت کرتے ہیں آپ اس سے آگے چلو۔ اور غور کرو۔ کہ تقویٰ اور علم کے ہزاروں لاکھوں مراتب ہیں اور پھر ان محبتوں کے نتیجے میں کس طرح کی قربانی ہوتی ہے اب کفار ہی میں دیکھو۔ میں نے ایک عربی اخبار میں پڑھا کہ دیکھو۔ پنجاب میں لاجپت رائے۔ مرہٹوں میں تلک۔ بنگال میں سریندرو بابو اور بپن پال محبان قوم کہلاتے ہیں اور خاص خیال کے لوگ ان کے مداح ہیں۔ ان کی خاطر بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ اور مال وجان کی بھی کچھ بھی پرواہ نہیں کی۔ مجھے معلوم ہوا کہ

کہ ۱۰ سے ۲۵ برس تک کے نوجوان لڑکے ہیں۔ جنہوں نے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالا ہے۔ اس لئے کہ وہ محبانِ ملک ہیں۔ تمام محبتوں سے بڑھ کر جب خیال آیا۔ تو بیوی۔ بچوں۔ مال و دولت اور سب سے بڑھ کر جان تک کی بھی پرواہ نہیں کی۔

ایک دفعہ کسی نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کو مصلحین سے محبت ہے۔ میں نے کہا ہاں ہے تو سہی مگر میرا عجیب تماشا ہے۔ ایک کو دوسرے پر قربان کرتا رہتا ہوں۔ اُس نے کہا کہ کیشب بابو اور دیانند سے بھی محبت ہے؟ میں نے کہا۔ کیوں نہیں۔ انہوں نے لاکھوں بُت توڑ ڈالے۔ اس لئے اس حد تک میں نے ان سے محبت کی۔ پھر کہا کہ سرسید سے بھی ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں! پھر اُس نے کہا کہ آپ علی گڑھ نہ گئے اور نہ دیانند اور کیشب بابو کے پاس جا کر رہے۔ مگر مرزا کے پاس تو ایسے گئے۔ کہ گھر بار ہی چھوڑ دیا؟

مَیں نے کہا کہ تم جانتے ہو۔ کہ میں ایک مذہبی آدمی ہوں۔ اور مجھے قرآن مجید سے محبت ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ

كذالك جعلنا فى كل قرية اكابر مجرميها

یعنے بڑے بڑے آدمی راستبازوں سے محبت نہیں کرتے۔ بلکہ وہ ان سے قطع تعلق کرنے والے ہوتے ہیں۔ اب میں جو دیکھتا ہوں۔ تو حضرت صاحب کے ساتھ کسی بڑے آدمی نے تعلق ارادت قائم نہیں کیا حالانکہ کیشب بابو کے مریدین میں مہاراجہ کوچ بہار تھا۔ اور ایسا ہی دیانند اور سرسید کے ساتھ تعلق رکھنے والے بھی بڑے بڑے آدمی تھے۔ تو قرآن مجید کی یہ آئت مجھے راستباز کی صداقت کا ایک معیار نظر آتی تھی۔ اس لئے مَیں نے مرزا کو راستباز یقین کر کے پھر اپنی آنکھ سے دیکھ کر ساری محبتوں کو اس پر قربان کر دیا۔ اور اس کی خاطر وطن۔ عزیز اور دُنیا کی خواہشیں قربان کر دینی مجھے بہت ہی آسان معلوم ہوئیں۔ اور جہاں اس نے کہا۔ میں بیٹھ گیا۔

میرے ایک دوست ریاض احمد نام یہاں آئے تھے۔ انہوں نے میرے اِس معیار صداقت کو کہیں سُنا ہوگا۔ یا پڑھا ہوگا۔ اُنہوں نے کہا کہ میں نے آپ کا معیار صداقت سُنا ہے۔ مگر آپ یہ تو بتائیں۔ کہ بڑے اور چھوٹے آدمیوں میں فرق کیا ہے؟ کیا نواب صاحب

مگر یہ چیزیں بجائے خود

کچھ ہستی نہیں رکھتی ہیں۔

حقیقی سکھ اور دُکھ اللہ تعالیٰ ہی مشیت کے نیچے ہے اور وہی تمام طاقتوں کا مالک ہے اس سے میرے دل میں ایک اور جوش پیدا ہوا۔ اور اس لاالہ الااللہ کے وظیفہ نے

ایک اور سیڑھی عطا کی جو دُعا کی سیڑھی ہے۔

اور میں بڑے یقین کے ساتھ اس نکتہ پر پہونچگیا کہ ایک ہی ہے جو سب کچھ کرنیوالا ہے۔ پھر کیوں اسی کے سامنے اپنے مطالب کو پیش نہ کروں بڑے زور کے ساتھ یہ تحریک میرے دل میں آئی کہ اوسی سے مانگنا چاہیئے جس چیز کی حاجت ہو۔

اس کے بعد ایک اور کتاب نے مجھے بہت مدد دی اور اگر میں اوس کا نام نہ لوں گا تو یہ بڑی بھاری ناشکری ہوگی۔ اس کا نام

تقویۃ الایمان کا حصہ اول ہے۔

پھر تیسری کتاب رفاہ المسلمین نے میری ایمانی کیفیت کی آبپاشی کی اور لاالہ الااللہ پر میرا ایمان بہت ہی قوی ہوگیا یہ فضل الٰہی تہا۔ الحمدللہ علی ذالک۔ جب دُعا کے لئے میرے دل میں جوش پیدا ہوا تو میں نے دیکھا کہ دُعا مانگتے مانگتے اس میں توجہ اور عقد ہمت پیدا ہونے لگا۔ اور اسی حالت میں مجھے ایک مطلب پیش آیا۔ میں نے اُستاد سے عرض کیا کہ اس کے حل کے لئے کوئی تدبیر بتاؤ انہوں نے کہا کہ اس کا عمل مجھے یاد نہیں یہ سنکر مجھے بہت طیش ہوا اور رنج کے

دُعا کا تجربہ

ساتھ ہی یہ جوش بڑھا اور میرے دل میں آیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور کوئی مشکل امر نہیں اور تمام مشکلات کی کلید تو دعا ہے آؤ دعا کے ساتھ عقد ہمت اور

بڑے آدمی نہیں ہیں؟ میں نے کہا۔ کہ وہ مالیر کوٹلہ کے نواب نہیں ہیں بلکہ وہاں کے خوانین میں سے ہیں۔ اس پر اس نے کہا کہ میں تو بریلی سے یہ خیال لے کر آیا تھا۔ اب میں جاتا ہوں۔ خیر یہ سلسلہ بڑا لمبا ہے۔ آنکھ ناک۔ کان۔ ذوق۔ شہوت کے محبوب بھی محبوب ہوتے ہیں مگر علم اور دین کے سامنے ان کی کچھ بھی حقیقت نہیں اور اس پر ان کی کچھ بھی حقیقت نہیں اور اس پر ان کو قربان کر دیا جاتا ہے۔ اس قربانی کے عجیب عجیب تماشے میں نے دیکھے ہیں۔ ابھی محمد شریف کی انگلی کا ایک پور اڑ گیا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ جب تک اس کی ہڈی کا صاف حصہ نہ کاٹا جاوے۔ ماس اوپر نہیں آئیگا۔ اس پر مجھے بھی سفارش کرنی پڑی کہ ہاں اسے کاٹ دیا جاوے۔ کیونکہ اس ہڈی کی محبوبیت کو اس پر قربان کر دیا گیا۔ پھر محرم میں اس کے عجیب تماشے ہیں۔ یزید قریشی ہے۔ اولاد صحابہ میں سے ہے دنیاوی جاہ و جلال بھی رکھتا ہے۔ اسلامی سلطنت کا بادشاہ بھی ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ جب بد معاملگی کی تو اب امام حسین رضی کے بالمقابل کوئی اس کا نام تو لے یا پگڑی ہی باندھ کر اس مجلس عزا میں بیٹھ جاوے۔ یہ بھی علم دین کی حب کا ایک تماشا ہے۔

مال بھی محبوب ہے تم نے قربان کیا۔ گھر کی انگیٹھیاں اور آرام سب کچھ انکو حاصل تھا۔ مگر اسے بھی قربان کیا۔ کیوں ان سے بڑھ کر جو ایک حب نے اپنا اثر کیا۔ وہ حب ایسی ہے۔ جس کا سرچشمہ دین ہے گو دین کہاں سے پیدا ہوتا ہے۔ علم اور قدرت سے ایک دیندار عالم اگر پاگل ہو جاوے۔ تو کس کام کا پس ان سب کا خلاصہ کیا ہوا؟

انسان اپنی جان سے پیار کرتا ہے۔ اپنی بقا سے پیار کرتا ہے۔ پھر صحت سے پیار کرتا ہے پھر سلامتی سے پیار کرتا ہے۔ مگر ان سب پیار کو حسن و جمال پر قربان کر دیتا ہے اور اسے کمال احسان پر قربان کرتا ہے اور حسن و احسان دونوں کو کامل دین کے لئے نثار کرتا ہے۔ پھر جب اس کی عقل جاتی رہے۔ تو اتقی اور علم پر اسے بھی قربان کر دیتا ہے۔

اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ حسینوں کو کس نے پیدا کیا۔ کون حسن کو کو قائم رکھتا ہے۔ کس کی دی ہوئی آنکھوں۔ کانوں۔ ناکوں اور زبانوں سے متمتع ہوتے ہیں۔ مالوں سے کون متمتع کرتا ہے۔ محسنوں کو وہ چیزیں کون دیتا ہے جس سے وہ کسی پر احسان کرتے ہیں۔ علم و دین اور قدرت کا سرچشمہ کون ہے؟ جواب یہی ہوگا کہ

ایک وراء الوراء ذات ہے

جوان تمام صفات کاملہ کی جامع ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حقیقی محبوب وہی ہونا چاہئے۔ اور تمام محبوب اس پر قربان کر دینے کے قابل ہیں۔ وہ ایک ایسا محبوب ہے۔ کہ اس میں بقا بھی ہے۔ پھر ایسی بقاء کہ اُس کو زوال نہیں۔ بلکہ کمال ہے۔ کمال احسان ہے۔ اور کمال حسن بھی وہ نور السموات و الارض ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اگر محبوب بنا ہے تو وہ **بکل شیٔ علیم** ہے۔ اس کے علم کے سامنے کسی کا علم ہستی ہی کیا رکھتا ہے۔

انسان کبھی کبھی شجاعت کے کرشمے دیکھنے کا خواہشمند ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلوانوں کے دنگل میں بیس بیس روپیہ ٹکٹ کی قیمت دیکر بھی چلا جاتا ہے۔ مگر اس سلسلہ کو ذرا لمبا کرکے غور کرو۔ علیؓ کی شجاعت پر بھی نظر کرو۔ اور پھر خدا تعالیٰ کی شجاعت کو دیکھو۔ **علی کل شیٔ قدیر** اور **ملیک مقتدر** حسن اور احسان میں کوئی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ محبوب اور اُن کے حسن محسن اور اُن کے احسان کس نے بنائے؟ ہم دھوپ میں ہوں تو سایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر دھوپ اور سایہ کس نے بنائے؟ اندھیرے میں ہوں تو روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر روشنی کس نے بنائی؟ یہ سلسلہ بالآخر جناب الٰہی پر جا کر ختم ہو جاتا ہے اور وہ **حقیقی محبت** کا چشمہ قرار پاتا ہے۔

پھر دوسرے محبوبوں میں ایک نقص عظیم ہے۔ کہ ان کی خوبیاں زوال پذیر ہیں۔ اور بعض وقت ایسے نقص پیدا ہوتے ہیں۔ کہ خودکشی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ لازوال خوبیوں کا مالک ہے۔ اور **تمام عیبوں سے پاک جو محبوب ہے۔ وہ اللہ ہی ہے۔** محبوبوں پر ذرا عیب لگ جاوے تو محبوبیت معدوم ہو جاتی ہے۔ ایک شخص ایک مرتبہ آدھی رات کو میرے پاس آیا۔ اور وہ اتنا بڑا آدمی تھا کہ میرے جیسے کو لاکھ دو لاکھ دے سکتا تھا۔ مگر آدھی رات کو خود آیا۔ اور میرے دروازہ کو کھٹکھٹایا۔ اور جب میں نے کواڑ کھولا تو جھٹ سر سے پگڑی اُتار کر میرے پاؤں پر رکھدی جب سبب دریافت کیا تو کہا۔ کہ اتنی مصیبتوں سے ایک عورت کو بُلایا ہے۔ اور اب میں قادر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے پیشاب کا بہانہ کرکے آپ کے پاس آیا ہوں۔ اب کوئی دوا دو ورنہ مرتا ہوں۔ مجھے اس حالت کو دیکھ کر ایک عجیب نکتہ یاد آیا۔ کہ محبوبیت کے لئے بھی بڑی مصیبت ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ ایک مولوی صاحب اپنی ایک شاگردنی پر عاشق ہو گئے۔ اُس نے کہا کہ ٹھنڈے پانی سے غسل کرکے آؤ۔ وہ گئے اور

کانپتے ہوئے آئے۔ اور اپنے عضو تناسل پر جوتے مارے کہ کم بخت تو نے ذلیل کیا۔ غرض محبوبیت کے ساتھ ذرا دکھ ہو۔ تو باطل ہو جاتی ہے۔ پس ایک ہی محبوب ہے۔ جو تمام عیوب سے پاک اور تمام نقصوں سے منزہ ہے۔ اور وہ سبوح قدوس محبوب ہے۔ جو علم قدرت میں کامل ہے۔ یسبح للہ ما فی السموات والارض تمام چیزوں سے گواہی ملتی ہے۔ کہ اپنے علم قدرت میں یکتا۔ حی و قیوم ہونے میں کامل۔ اس کے حسن کا کمال یہ ہے کہ نور السموات والارض ہے۔ اور تمام عیوب سے منزہ ہے۔ پھر جس جس قدر کوئی اس کا قرب حاصل کرتا ہے۔ اسی قدر وہ منزہ ہوتا جاتا ہے۔

اب سوچو کہ اگر حب اور عشق کوئی چیز ہے تو صرف اللہ ہی سے چاہئے۔ میں نے برسوں بتایا تھا کہ لا الٰہ الا اللہ کس طرح آیا اور دعا۔ قرآن کریم سے کس طرح محبت بڑھتی گئی۔ مگر اس وقت یہ نہ بتایا کہ ان سب کی جڑ حب تھی۔ اس لئے کہ جناب الٰہی کے جو کام ہیں رحمانیت سے شروع ہوتے ہیں۔ پھر رحیمیت کی ضرورت پڑ جاتی ہے کیونکہ جب اس نے قویٰ دیئے ہیں اور استعمال کی تاکید کی ہے۔ آخر میں رحمانیت کی شان سے پھر کرشمہ دکھایا۔

مرزا صاحب میں ایک شان محبوبیت تھی۔ اس نے ہمیں کھینچا۔ اور اس محبت پر وطن اور دوسرے دنیوی منافع کو قربان کر دیا۔ اس محبت کی غرض لا الٰہ الا اللہ کی ہی تکمیل تھی۔ ان کا رفع ہوا۔ اور وہ محبوب حقیقی کے حضور پہنچے۔ تو ان کی وفات نے بھی لا الٰہ الا اللہ ہی کی طرف ہمیں متوجہ کیا۔ جب سچی محبت مولیٰ سے ہوگی۔ تو اس کا منشاء معلوم کرنے کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر اس کی پاک کتاب اور پاک زبان سے بھی محبت ہوگی۔ اس کو قرآن کریم نے جہاں سے میں نے اس وقت کھول کر رکھا ہے بیان کیا ہے

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی

یعنے اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت رکھتے ہو۔ تو اس کی پہچان یہ ہے کہ میرے تابع ہو جاؤ۔ پھر تم آپ ہی محبوب ہو جاؤ گے۔ یہ گر ہے۔ جو قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ کیسا مجرب نسخہ ہے۔ پہلے آپ آزماتا ہے پھر تمہیں بلاتا ہے۔ ایک اور راز محبت ہے۔ اور قرآن کریم نے ہی اسے بیان کیا ہے۔ مگر چونکہ بہت ہی باریک ہے۔ عادت کے نہ ہونے کے سبب اور وقت کے تنگ ہونے کے باعث اس وقت

کھول نہیں سکتا۔ جب کے لئے ایک مناسبت ہوتی ہے۔ اس مناسبت کے سبب سے عشق و محبت ہوتی ہے۔ ہیر رانجھا کو ایک دوسرے نے جس نظر سے دیکھا۔ کوئی اور اُن کے دیکھنے والا نہ تھا یہ ایک باریک راز ہے۔ اور بڑی صحبت کو چاہتا ہے۔ میرے دل میں جوش ہے۔ جس سے بتاؤں۔ کہ یہ کیا راز ہے۔

ایک لاہوری دوست ایک شخص کو یہاں لائے۔ اور اپنے خرچ سے لائے۔ کہ تم مرزا صاحب کو ایک مرتبہ چل کر دیکھ آؤ۔ پھر جو جی چاہے کہنا۔ جب وہ دیکھ کر واپس گیا اور اس سے پوچھا۔ تو اُس نے اگر کچھ کہا تو یہ کہ نہائت ہی لغویت کے ساتھ آپ کی پگڑی پر اعتراض کیا۔ اُس کی نظر میں وہ شان محبوبیت جو مرزا میں تھی آ ہی نہیں سکی۔ اور ایک ہم ہیں۔ کہ اُس کی پگڑی کے پیچوں میں بھی ایک محبت کا جذبہ معلوم ہوتا ہے۔ اور محبت کا ایک ایسا مخفی راز ہے۔ کہ ہاتھ چومتے چومتے تھکتے نہیں۔ اور وجہ نہیں بتا سکتے۔ اس کے مقابلہ میں بغض بھی ہے۔ اس کے لئے بھی اسی قدر کہنا پڑتا ہے۔ مگر یاد رکھو کہ یہ ایک مخفی راز ہے۔ اور نہائت باریک

واذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین

او! فرشتو! میں ایک آدم بناتا ہوں۔ وہ عناصر کی چیز ہے۔ تمہیں اس سے کیا تعلق۔ مگر میں اس میں اپنا ایک سرّ محبت ڈالتا ہوں تو تم سجدہ میں گر جاؤ گے۔

نفخت فیہ من روحی۔ یہی وہ سرّ ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بعض لوگوں سے پوچھیگا کہ **مرضت فلم تعدنی**۔ میں بیمار ہوا۔ مگر تم نے میری عیادت نہ کی۔ وہ کہیگا کہ تو کب بیمار ہوا۔ مگر اسے جواب میں بتایا جاویگا۔ کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا تم نے اس کو نہیں پوچھا۔ یہ کیا تھا۔ وہی مخفی امر جب کا تھا اس بندہ کا پوچھنا گویا خدا تعالیٰ کا پوچھنا تھا۔ یہ ایک سرّ ہے۔ جو اس بندہ کے ساتھ تھا۔

فلاسفر اس سرّ کو پہونچے ہیں۔ کہ ایک آنکھ جب دوسرے سے لڑتی ہے تو حب ہو جاتی ہے مگر وہ اس راز کو بیان نہیں کر سکے۔ کیونکہ یہ ایک کیمیاوی تاثیر ہے جو بیان میں نہیں آسکتی۔

اس سے سمجھو کہ جس کے دل میں لا الٰہ الا اللہ کا کلمہ پیدا ہوا۔ اس نے دنیا کی محبتوں پر نظر کی اور تمام محبوبوں کو دیکھا۔ تو ان کی محبوبیت کو ذاتی نہ پایا۔ اور ان میں نقص زوال محسوس کیا۔ ان کو دیکھ کر دل سے۔ زبان سے۔ جان سے رات دن کے رونے سے یہ نکلا۔ کہ لا الٰہ الا اللہ کہو۔ لا شریک لہ کہو۔ اب یہ کیا سرّ ہے کہ سارا کارخانہ ہی جب سے چلتا ہے۔ مگر ان میں زوال ہے۔ میں نے بہت غور کیا ہے۔ کہ جہاں تک محبّت مخلوقات سے ہے۔ وہ ایک مخفی راز ہے اور وہ حی و قیّوم کے تربیت کے نیچے ہے۔ پھر محبّت کے بھی کئی مراتب ہیں۔ اس کی تمثیل سنو!

ایک شخص جو ریگستان میں ہو۔ اور سخت گرم ہوا چل رہی ہو۔ اور دھوپ بھی سخت تیز ہو۔ وہ اس سے گھبراتا ہو۔ وہ دور سے درخت کو دیکھتا ہے۔ اور اُس کے سایہ کو غنیمت سمجھتا ہے۔ اور دوڑ کر اس کے نیچے چلا جاتا ہے۔ لیکن وہاں وہ ایک اور درخت دیکھتا ہے۔ جس کا سایہ گھنا ہے اور پاس پانی بھی ہے۔ تو وہ اس سایہ دار درخت کو جس کے پاس تالاب بھی ہے۔ زیادہ پسند کریگا۔ اور وہاں چلا جانا چاہیگا۔ لیکن اس کے بعد ایک اور درخت کو دیکھتا ہے جہاں تالاب ہی نہیں۔ بلکہ آدمی بھی ہے۔ تو وہاں جاتا ہے اور وہ جگہ اسے محبوب تر نظر آتی ہے۔ پھر وہاں جا کر پوچھتا ہے کہ تو کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے۔ کہ دہریہ ہوں۔ لیکن آگے دیکھتا ہے کہ ایک اور شخص ہے۔ جو خدا کو مانتا ہے۔ تو وہاں جاتا ہے۔ مگر اس سے جا کر پوچھا کہ تو کون ہے ہو اس نے کہا کہ میں آریہ ہوں۔ تو پھر بھی شکر کرتا ہے۔ کہ دہریہ تو نہیں۔ لیکن آگے چلتا ہے۔ تو اور دیکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو قادر ماننے والا ہے اور وہ یہودی یا مجوسی یا برہمو ہے۔ تو اور بھی خوش ہوتا ہے۔ مگر اس سے بھی اگر مسلمان ہو۔ تو اور بھی پسند کریگا۔ لیکن شیعہ ہو۔ تو اور آگے چلتا ہے۔ اور سنّی ہو تو اور بھی خوش ہوتا ہے۔ اور احمدی ہو تو پھر اور بھی خوشی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ حُب میں مراتب ہوتے ہیں۔ اور فطرتاً ادنیٰ کو اعلیٰ پر قربان کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ جوں جوں کسی کو منزّہ پاتے ہیں۔ اسی قدر محبّت کے تعلقات بڑھتے جاتے ہیں۔ اب یہ تو سمجھ میں آ گیا ہوگا۔ کہ نیکی وغیرہ کا مدار حب پر ہے۔ اسی لئے میں نے کہا تھا۔ کہ وہ مضمون اس سے بھی زیادہ

دلچسپ ہے۔ میں اس کا بچپن سے مشتاق ہوں۔ اور عجیب و عجیب محبوبوں کے نظارے کئے ہیں۔ اور اس نکتہ پر پہونچا ہوں۔

کہ اللہ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں

یہ بھی کہا تھا۔ کہ کھانے پینے کا اول فکر ہوتا ہے پیدا ہوتے ہی پھر کپڑے کا۔ پھر آہستہ آہستہ عمدہ حالت آئی۔ تو پچھلی کو چھوڑتا جاتا ہے۔ میں نے ایسی نابکار عورتیں دیکھی ہیں۔ جو بچپن میں لاڈ سے بچوں کے عضو تناسل کو بار بار ہاتھ لگاتی ہیں۔ جب وہ بڑا ہو جاتا ہے۔ تو پھر انہیں کہنا پڑتا ہے کہ تو الگ سویا کر۔ پھر باحیا اور بے حیا کا فرق بنتا ہے۔ غرض محبوبیت اور محبت کا تماشا ہوتا رہتا ہے۔ ہم میں ایک اور استعداد ہوتی ہے۔ جو ترقی کی استعداد ہے۔ اس کے بھی عجیب عجیب تماشے ہوتے ہیں۔ آم کے درخت کو اتنا پھول آتا ہے۔ کہ اگر سب پھل ہو۔ تو جڑ تک کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ پھر جھکڑ چلتے ہیں۔ اور اس پھول کا بہت سا حصہ گرا دیتے ہیں۔ چند دنوں کے بعد کیریاں لگتی ہیں۔ اس کے ساتھ جانور وابستہ ہوتے ہیں۔ کچھ لڑکے لے جاتے ہیں۔ پھر چٹنی اور امچور کے لئے خرچ ہوتے ہیں۔ کچھ اچار مربّہ کے کام آتے ہیں۔ آخر جو بچتے ہیں۔ وہ پکتے ہیں۔ جہاں دو چار پکّے اتار لئے اسی طرح پر یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ آم کے پھول چاہتے تھے۔ کہ ہم ہی رہ جاویں۔ مگر ہوا کے جھکڑ نے صفائی کی۔ علیٰ ہذا القیاس۔ یہ بھی ایک تماشا ہے۔

اب ہم میں انگریزی پڑھا ہوا دیکھتا ہے۔ کہ متمدن قوم انگریزی بولتی ہے۔ غیر قوموں کو انگریزی کے ذریعہ سب کچھ پہونچا سکتے ہیں۔ پس ہمارا ہی راج ہو۔ اور جو ہم چاہیں۔ وہی ہو۔ بہت خوب! ایک عربی داں آتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ کہ عربی ہی تو جان ہے۔ اسلام آسکتا ہی نہیں۔ جب تک عربی سے محبت نہ ہو قرآن عربی میں ہے۔ اس کے لئے عربی کا پڑھنا ضروری ہے۔ عربی ہی عربی ہو۔ میں اس تماشے کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہوں۔ اور کہتا ہوں۔ خوب است!

اپنے اپنے محبوبات سے کام لے رہے ہیں۔ اور قوم کے لئے ضروری ہے۔ کہ اس کے ہر فرد میں سچا جوش ہو۔ کیونکہ جب تک ہر ایک کو اپنے مذاق کے موافق جوش نہ ہو۔ تو کامیابی کیسے ہو

میں جب طب پڑھنے گیا۔ تو میرے اُستاد نے پوچھا۔ کہ کہاں تک پڑھ گئے۔ میں نے کہا کہ مجھے افلاطون بنا دو۔ میں نہیں جانتا تھا۔ کہ طبیب اور حکیم میں کیا فرق ہے۔ اس نے کہا کہ پھر تم کچھ پڑھ لوگے۔ اگر تم موجز کا نام لیتے تو میں کبھی نہ پڑھاتا۔

پس میں جب مباحثات سنتا ہوں۔ اور ہمت بلند کے تماشے دیکھتا ہوں۔ تو بہت خوش ہوتا ہوں۔ ایک انگریزی پر مباحثہ کرتا ہے۔ دوسرا عربی کی اہمیت جتاتا ہے۔ فٹ بال۔ کرکٹ وغیرہ میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ کہ ہر ایک بڑھنا چاہتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

السابقون السابقون اولئک هم المقربون ۔

بہت سے نادان حیران ہوتے ہیں۔ اور شائد بعض سمجھتے ہوں کہ یہ جھگڑتے ہیں۔ فلاں اٹھا اور اس نے دوسرے کی ایسی تردید کی۔ کہ ناک رگڑ دیا۔ میں کہتا ہوں وہ حب کے لئے بولتا ہے۔ تمہارا جو فرض منصبی ہے تم بھی زور لگاؤ۔ میں سچ کہتا ہوں۔ کہ مجھے بڑی ہی خوشی ہوتی ہے۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ عربی کا موئد کہتا ہے کہ سب کو پیچھے چھوڑ دو۔ اور سب کو اس پر قربان کر دو۔ میں اُس کے جوش کو دیکھ کر کہتا ہوں۔ کہ ہاں ضرور ایسا ہی کرو۔ یہ جوش کام دیگا۔ اور اس کے نتیجے مفید اور بابرکت ہوں گے۔

ہمارے شیخ یعقوب علی اٹھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ مشینوں کے ذریعہ کام ہونا چاہئیے۔ اور مشینیں آنی چاہئیں۔ اس کے لئے اتنے ہزار چاہئیے۔ میں کہتا ہوں۔ کروڑ مانگتا ہے۔ تو دو۔ یہ بھی ضروری ہے دوسرا اُٹھتا ہے کہ بدر کے لئے دو۔ کم قیمتی میں یہی ایک اخبار ہے۔ وقت پر نکالنے کے لئے خرچ کرنا پڑتا ہے جس لئے روپیہ کی ضرورت ہے۔ اس کی کثرت اشاعت کی حاجت ہے۔ مَیں کہتا ہوں ٹھیک ہے کرو۔ سیگوین والے کہتے ہیں۔ کہ حضرت صاحبؑ نے فرمایا دس ہزار اشاعت ہو۔ مَیں کہتا ہوں کہ بیس ہزار ہو۔ صاحبزادہ صاحب ہیں تم نے ان کی نظم اپیل کو سُنا ہے۔ ان کے دل میں حق کا جوش ہے۔ وہ بڑے ہونہار ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں نظر بد سے بچاوے (آمین) میں نے اُن کی نظم کو سُن کر رو رو کر سجدہ میں اُن کے لئے دعا کی ہے۔ اُن کے اندر اسقدر

جوش موجزن ہے۔ کہ وہ چاہتے ہیں۔ کہ حق کے مخالفوں کو پیس دوں۔ میں کہتا ھوں۔ ہاں ایسا ہی ہونا چاہئے۔ وہ جو اپیل کرتے ہیں۔ اس کی تعمیل ہونی چاہئے۔

پس ان جوشوں کو دیکھکر گھبراؤ نہیں۔ بلکہ خوش ہو۔ کہ یہ ترقی کے لئے ضروری ہیں۔ ہاں! مقابلہ والوں کو چاہئے۔ کہ حد بندی ہو۔ دنیا میں عیب گیری بہت ہوتی ہے۔ کسی کے لیکچر میں جوش دیکھتے ہیں۔ تو اُس پر اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر نیک نیتی اور حسن ظن سے کام لیا جاوے۔ تو بات آسان ہے۔ کہ یہ حب کا کرشمہ ہے۔

اور حدود بندی جناب الٰہی کے اختیار میں ہے۔ مگر ہر شخص کا فرض ہے۔ کہ اپنی راہ میں پورا زور لگا دے ایک اُٹھتا ہے وہ کہتا ہے کہ **ضعفاء** کے لئے چندہ دو۔ ہم اپنے غریب بھائیوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ دوسرا کہتا ہے۔ کہ مت دو صدر انجمن ہی میں دو۔ وہ کہتا ہے۔ کہ مَیں تمہارے روکنے سے نہیں رُکتا۔ میں اپنی ذات کے لئے نہیں مانگتا۔ یہ عجیب بات ہے۔ تم اس نکتہ پر پہونچو نہ پہونچو۔ مگر میں سمجھتا ہوں۔ کہ یہ سب حب کے کام ہیں۔

صدر انجمن کا حکم بھی ایک حب ہے۔ وصایا پر کاربند ہونا بھی حب ہے۔ یہ سب حب ہے مگر میرا منشاء پوچھو۔ تو عربی تو میری محبوب زبان ہے۔ اُس کی تائید تو میں اپنا فرض سمجھتا ہوں مگر میں تو اس کے ساتھ یہ بھی چاہتا ھوں۔ کہ وید کی زبان۔ فرانسیسی اور جرمن بھی پڑھیں۔ اور میرا سارا کتب خانہ پڑھیں۔

غرض انگریزی کے مؤید خوب زور لگائیں۔ عربی کے مؤید خوب تائید کریں۔ اور میرے جیسے انڈیا کی اور نو دس زبانیں بڑھا کر خوب کوشش کریں۔ ابو سعید جیسے بھی ہوں۔ جو مختلف زبانیں سیکھ لیں۔ غرض سب کی ضرورت ہے۔

ہمیں ہر قسم کے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ مگر **نیک نیت**۔ نیک کردار۔ خدا ترس اللہ کے سچے فرمانبردار ہوں کی۔ دیکھو خالد بن ولید کی ایک بھی حدیث نہیں۔ ضرار بن ازور کا نام بھی حدیث کی کتابوں میں نہیں وہاں جاؤ۔ تو قال ابو ہریرہ ملیگا۔ مگر تاریخ میں جاؤ۔ تو پھر ابو عبیدہ۔ خالد اور ضرار کے کارناموں کو دیکھو

یہ خوش قسمتی کی بات ہے۔ کہ کچھ عربی کے کچھ انگریزی کے۔ کچھ اور زبانوں کے موئید ہیں۔ یہہ مقابلہ ہے۔ اور ان سب کی ضرورت ہے۔ اور ان سب کو جوش کرنا چاہیئے۔ آگے رہی حد بندی وہ تمہارا کام نہیں اور نہ وہ میرا کام ہے۔ گو میں سب کا موئید اور سب کا **جامع** ہوں۔ بلکہ وہ امہ تا کام ہے **الحکم** کا بھی موئید۔ بدر کا بھی موئید۔ انگریزی والوں کا بھی موئید۔ وکیلوں اور ڈاکٹروں کا بھی موئید عبدالحی کہتا ہے۔ کہ میری کتابیں لے لو۔ ایک میرا داماد ہے۔ وہ کہتا ہے۔ میرے پاس طبیب حاذق ہے وہ لے لو۔ میں کروں تو کیا کروں۔ ان سب کو بے شک مجھے ہی کہنا چاہیئے۔ تائید حق کے لئے میں نے کہا اور پھر پوچھا تو جس کے پاس تھیں۔ اُس نے کہا کہ تھوڑی ہی بکی ہے۔

غرض حب کا مضمون بہت بڑا تھا۔ میں نے کاٹ کر ایسے روکا اور کم کیا۔ ساری عمر میں یہ مضمون نہیں سُنایا۔ مگر چھوٹی سی عمر سے میں اس پر غور کرتا رہا ہوں۔ اُسی نے مجھے قرآن سکھایا۔ اسی نے مرزا تک پہونچایا۔ اب اسی جوشِ حُب میں میں چاہتا ہوں۔ کہ اس کے لئے واعظ پیدا ہوں۔ ہمارے مفتی صاحب کو بھی تم سے محبت ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ میں آپ کو دُعا سکھاؤں۔ جس سے حُب پیدا ہوتی ہے

وہ یہہ ہے

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ

اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے تیری محبت۔ اور اس کی محبت جو تجھ سے

یُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ

محبت رکھے اور وہ کام جو مجھ کو پہونچا دے تیری محبت تک۔

اس کے بعد میر عابد علی شاہ صاحب نے اپنے کشوف بتائے۔ جو حضرت خلیفۃ المسیح سلمہ اللہ تعالیٰ کی خلافت اور انتخاب ربانی کی تائید کرتے تھے۔ اور بعد دعا جلسہ برخاست ہوا

ایڈیٹر

حضرت صاحبزادہ صاحب کی تقریر

عالی جناب حضرت صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد صاحب خلف الرشید اعلیٰ حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جلسہ تشحیذ الاذہان میں جو تقریر فرمائی اُس کے درج کرنے کا بھی وعدہ کیا گیا تھا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے سکرٹری تشحیذ الاذہان کے لئے ہوئے نوٹوں کو لیکر اپنی تقریر کو خود لکھا ہے اور اس لحاظ سے یہ تقریر گویا اصل تقریر کہلاتی ہے۔ اگرچہ یہ تقریر تشحیذ الاذہان میں بھی چھپکر شائع ہوئی ہے۔ مگر میں نے مناسب سمجھا ہے کہ یہ تقریر الحکم کے اس نمبر میں بھی چھپ جاوے اس لحاظ سے بھی یہ ضروری تھا کہ شائد بعض احباب کے پاس **تشحیذ الاذہان** نہ جاتا ہو۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ ظاہر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ تشحیذ الاذہان ہر احمدی کو جو لکھ پڑھ سکتا ہے خریدنا چاہئیے اور ہر احمدی کو انجمن تشحیذ الاذہان کا ممبر ہونا ضروری ہے۔ انجمن تشحیذ کے ممبروں کو رسالہ مفت دیا جاتا ہے۔ اور ممبر کو صرف تین روپیہ سالانہ چندہ ممبری دینا پڑتا ہے میری رائے میں ایک مفید اور اشاعت اسلام کیلئے کام کرنے والی انجمن کے کام میں مدد دینا اس زمانہ میں بہترین خدمت اسلام کی ہے اور ایکسے زیادہ مرتبہ میں یہ ظاہر کر چکا ہوں کہ یہ انجمن صرف اسی ایک کام کو کر رہی ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح سلمہ اللہ تعالیٰ اس کے سرپرست ہیں۔ اس کی مدد نہ کرنا ایک جوابدہ غفلت ہے۔ پس امید ہونی چاہئے کہ انجمن تشحیذ کی ممبری کیلئے احباب درخواستیں بھیجینگے۔ انجمن تشحیذ کے ذکر کے ضمن میں میں افسر دار الکتب انجمن کی چٹھی بھی چھاپ دیتا ہوں اس سے پہلے کہ صاحبزادہ صاحب کی تقریر درج ہو۔ صاحبزادہ صاحب کی تقریر کے صفحے جداگانہ دیئے گئے ہیں۔ ایڈیٹر۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

ہماری قوم توجہ فرمائے!

اور خدا تعالیٰ کا فضل شامل ہو۔ تو دار الکتب احمدیہ کا ملک کی ایک بے نظیر لائبریری بن جانا کچھ دشوار

استقلال سے کام لیں۔ اس تحریک کے ساتھ میں اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھ کر اسے پکارنے پر آمادہ ہوا اور عقد ہمت کے ساتھ میں نے توجہ شروع کی اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ عشاء کے بعد ہی میرا وہ مطلب استاد کے سامنے حاصل ہوگیا۔ یہ دیکھ کر میرے استاد کے دل میں آیا کہ اسے کوئی عمل آتا ہے۔ ورنہ یہ سخت مشکل مطلب تھا اور یہ حل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کرشمہ قدرت کو دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ لا الٰہ الا اللہ ہی سچ ہے اور دعا اور عقد ہمت توجہ مشکلات کے لئے مشکل کشا۔ کلید ہے۔

تربیت کا چھٹا مرحلہ

یہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ پر ایمان بڑھ گیا اور دل میں ایک اور تحریک اور جوش اٹھا۔ کہ ایسے قادر اور دعاؤں کے سننے والے خدا کو راضی کرنا چاہئے اور پھر اسی غرض کے لئے دعاؤں میں بھی اور جوش پیدا ہوا۔ اور سفر کا مجھے اتفاق ہوا۔ میں سفر میں بھی بڑی بڑی دعائیں کرتا اور جب کسی گاؤں کو دیکھتا۔ تو اسے دیکھتے ہی یہ دعا پڑھتا۔

کسی گاؤں یا شہر میں داخل ہونے کی دعا

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللھم رب السموات السبع وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الریاح وما ذرین اسئلک خیر ھذہ القریۃ وخیر اھلھا وخیر ما فیھا واعوذ بک من شر ھذہ القریۃ وشر اھلھا وشر ما فیھا۔ اللھم ارزقنا جناھا واعذنا من وباھا اللھم حببنا الی اھلھا وحبب صالحی اھلھا الینا۔

ترجمہ۔ اے سات آسمانوں کے رب اور ہر ایک چیز کہ جس پر وہ سایہ کرتے ہیں۔ اور ساتوں زمینوں کے رب اور اس چیز کے جس کو وہ اٹھاتی ہیں اور رب شیطان کے اور ان کے جن کو وہ بہکاتے ہیں اور رب ہواؤں کے اور اس چیز کے جس کو وہ بکھیرتے ہیں بے شک ہم مانگتے ہیں تجھ سے

نہیں - دارالکتب احمدیہ کے لئے ایک جدید مکان بن کر تیار ہو گیا ہے - اس وقت تک جسقدر کتابیں ہر علم و
فن کی لائبریری کے اس جدید مکان کی الماریوں میں موجود ہیں - اُن کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے - یہ تعداد
تو بہت ہی ناکافی ہے - لیکن حضور امیر المومنین و خلیفۃ المسلمین ؓ نے چونکہ اپنا عظیم الشان کتب خانہ
بھی دارالکتب احمدیہ کو عطا فرما دیا ہے - اس لئے اس موجودہ مکان کے ملحق ایک اور بڑا کمرہ بنانے کی ضرورت
محسوس ہو رہی ہے - مگر سلسلہ کی عظمت اور ہماری قوم کی علم پروری جو شہرت حاصل کر چکی ہے -
اس کے مناسب حال قومی کتب خانہ اس وقت بن سکتا ہے - کہ اس دارالکتب کی خدمات کو ایک قومی
کام سمجھکر قوم کی متفقہ کوشش اس جانب مبذول ہو - دارالکتب کو یکمشت معقول سرمایہ اور
استمراری مثلاً ماہوار مقررہ اعانتوں کی سخت ضرورت ہے - امید ہے - کہ ہماری باحمیت اور باہمت
قوم اس طرف ضرور توجہ فرمائیگی - علاوہ ازیں دارالکتب کی سب سے بہتر مدد یہ بھی ہے - کہ جس بھائی کے
پاس کسی علم و فن اور کسی زبان کی خواہ مطبوعہ خواہ قلمی کتابیں ایسی ہوں - جو وہ دارالکتب احمدیہ
کو ہبہ کر سکیں - تو ضرور روانہ فرما کر اس صدقہ جاریہ میں حصّہ لیں - یہ کتابوں کی مدد روپیوں کی مدد سے
ہرگز کم نہ سمجھی جائے گی - بعض شریف خاندانوں میں پورانے زمانہ کی نایاب قلمی کتابیں موجود
ہوتی ہیں - اور اُن سے بہت ہی کم فائدہ اٹھایا جاتا ہے - ایسی کتابیں یہاں آکر نہائت ہی
حفاظت اور احتیاط سے رہیں گی - اور اکثر ان لوگوں کی نظر سے گذرتی رہیں گی - جو ایسی کتابوں
کے بھوکے پیاسے ہیں - کتابیں عطا کرنے والے حضرات کے نام معہ فہرست کتب عطا کردہ انشاءاللہ
تعالٰی شائع بھی ہوتے رہیں گے - تاکہ دوسروں کو ترغیب ہو - خدا کرے - میری باتوں
میں اثر ہو - اور قوم کی توجہ کے لئے اسی قدر گذارش کافی ثابت ہو - آمین!

راقم

اکبر شاہ خان نجیب آبادی نائب افسر دارالکتب احمدیہ قادیان

۲ مارچ سنہ ۱۹۰۹ء

بھلائی اس بستی کی اور اس کے رہنے والوں کی اور ہم تیری پناہ چاہتے ہیں اس کی اور اس کے رہنے والوں کی بدی سے اور اس چیز کی بدی سے جو اس میں ہے۔ اے اللہ عطا کر ہمیں یہاں کی آرام والی زندگی اور بچائے ہمیں یہاں کی وبا سے۔ اے اللہ محبوب بنا دے ہمیں اُن لوگوں میں اور ہمیں محبت دے اس بستی کے نیک لوگوں کی۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے آسمانوں اور زمینوں کے رب تو شیاطین اور ہواؤں کا بھی رب ہے میں اس شہر میں جانا چاہتا ہوں۔ اس کی چیزوں سے متمتع کر اور اس کے شر سے محفوظ رکھ یہاں کی حیات طیبہ سے متمتع کر اور وباؤں سے بچا میں اس شہر والوں کی نظر میں محبوب ہو جاؤں مگر میں کسی کو اپنا محبوب نہ بناؤں مگر صرف اُسی کو جس سے تو راضی ہو۔

یہ ایک احسان ہے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جس نے یہ دعا سکھائی۔ میں اس دعا کو ان کی صداقت کا بہت بڑا ثبوت یقین کرتا ہوں یہ ایک وجدانی ثبوت ہے۔ میں نے اس دعا سے عظیم الشان فائدہ اُٹھایا بچپن میں۔ حجاز میں۔ ہندوستان میں۔ میں دیکھتا ہوں کہ میرے بچپن کے دوست اب تک مجھے ویسے ہی پیارے ہیں اور لوگ علی العموم مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ مجھے ان دعاؤں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی یاد آئے۔ جنھوں نے دعا کی تھی۔ رب بما انزلت علی من خیر فقیر۔ یعنے اے میرے رب جو کچھ تو مجھ پر نازل کرے میں اس کی احتیاج رکھتا ہوں جب میں یہاں تک پہونچا تو اور بھی ترقی کی یہ تو ایک لمبی کہانی ہے اس لئے میں اس کا بہت حصہ قطع کرتا ہوں۔ اسی

تربیت کا ساتواں مرحلہ

سلسلہ حالات میں میرے دل میں ایک منصوبہ پیدا ہوا اور وہ یہ کہ جن بعض دوستوں سے مجھے سخت محبت تھی میں انہیں راضی کرنے کی کوشش کرتا تو بعض بجائے راضی ہونے کے اُلٹے ناراض ہو جاتے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میرے ایسے ہی ایک دوست